حقیقت تشیع

صباح علی بیاتی

مترجم: سید مبین حیدر رضوی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے“

قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : "انی تارک فیکم الثقلین، کتاب الله، وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلّوا ابدا وانهما لن یفترقا حتیٰ یردا علیّ الحوض".

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (ایک) کتاب خدا اور (دوسری) میری عترت اہل بیت (علیہم السلام)، اگر تم انھیں اختیار کئے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں''۔

(صحیح مسلم: ۱۲۲/۷، سنن دارمی: ۴۳۲/۲، مسند احمد: ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۵۹، ۳۶۶/۴ و ۳۷۱، ۱۸۲/۵ اور ۱۸۹، مستدرک حاکم: ۱۰۹/۳، ۱۴۸، ۵۳۳، وغیرہ)

حقیقت تشیع

انتساب

میں اپنی اس ناچیز کوشش کو نازش روزگار، وارث علم کردگار، حامل علم رسول مختار، ناظر گردش لیل ونہار، شیعیت کی محور و مدار، نور چشم صاحب ذوالفقار، قائم آل محمد، یوسف حضرت زہرا (س)، حضرت حجتؑ کی پاک بارگاہ میں پیش کر کے، قبولیت کا متمنی ہوں۔

سید مبین حیدر رضوی

خانه فرهنگ جمهوری اسلامی ایران. کراچی
شماره دیوی: ۲۹۷/۴۱۷
شماره ثبت: ۸۹۵۷
تاریخ ثبت: ۱۳۸۷/۷/۲۰

حقیقت تشیع

صباح علی بیاتی

مترجم: سید مبین حیدر رضوی بلرام پوری

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

بیاتی ، صباح علی ، ۱۹۵۳ - م
[حقیقة التشیع و نشأته - اردو]
حقیقت تشیع / صباح علی بیاتی ؛ مترجم مبین حیدر رضوی بلرام پوری . --- قم : مجمع جهانی اهل بیت (ع) ، ۱۳۸۵ .
۲۱۶ ص . --- (فی رحاب اهل البیت علیهم السلام)
ISBN 964-529-087-2
فهرستنویسی بر اساس اطلاعات فیپا .
اردو .
۱. شیعه --- عقاید. ۲. شیعه --- تاریخ. الف. رضوی، مبین حیدر، مترجم. ب. مجمع جهانی اهل بیت (ع). ج. عنوان. د. عنوان: حقیقة التشیع و نشأته. فارسی.
BP ۲۱۱/۵/ب۸۹ح۷۰۴۱ ۲۹۷/۴۱۷
۱۳۸۵
کتابخانه ملی ایران ۸۴-۴۷۱۱۸م

نام کتاب: حقیقت تشیع
مؤلف: صباح علی بیاتی
مترجم: سید مبین حیدر رضوی بلرام پوری
تصحیح: مرغوب عالم عسکری
پیشکش: معاونت فرہنگی ادارہ ترجمہ
ناشر: مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام
طبع اول: ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶ء
تعداد: ۳۰۰۰
مطبع: اعتماد

ISBN: 964-529-087-2
WWW.ahl-ul-bayt.org
info@ahl-ul-bayt.org

فہرست

عنوان .... صفحہ نمبر

انتساب ۶

حرف اول ۷

کچھ اپنی باتیں ۱۵

عرض مجمع ۱۷

مقدمہ ۲۱

حقیقت تشیع اور اس کی نشو ونما ۲۱

پہلی فصل ۲۷

اسلام اور تسلیم ۲۹

اجتہاد کے سلسلہ میں بعض اصحاب کا موقف ۳۲

حکم کے دو رخ ۴۰

دوسری فصل ۴۵

دینی مرجعیت ۴۷
رہبری کے عمومی شرائط ۵۰
اہلبیت، عمومی مرجعیت کی برترین شرط ہے ۵۰
اہلبیتؑ کون لوگ ہیں؟ ۵۵
مرجعیت کے عام شرائط اور نص ۵۷
خلیفہ کی تعیین اور احادیث نبوی ۶۰
پیغمبر اسلام کی دیگر احادیث ۶۳
رسول اسلام کا مبلغ ۶۵
میرے بعد علی تمہارے ولی ہیں ۶۶
تاج پوشی ۶۹
مرجعیت کے لئے حضرت علیؑ کی اہلیت ۷۰
علیؑ اعلم امت ۷۱
امت کی شجاع ترین فرد علیؑ ۷۵
حضرت علیؑ اور جنگ بدر ۷۵
حضرت علیؑ اور جنگ احد ۷۶
حضرت علیؑ اور جنگ خندق ۷۶
حضرت علیؑ جنگ خیبر میں ۸۰
حضرت علیؑ اور جنگ حنین ۸۲

اختلاف کے اسباب ۸۴
شاہراہ اجتہاد کا استعمال ۹۱

تیسری فصل ۹۷

آغاز تشیع ۹۹
راستہ کی نشاندہی ۱۰۵
بیعت کے بعد ۱۱۷
پر پیچ راہ ۱۱۸

چوتھی فصل ۱۳۳

مسیر تشیع ۱۳۵
اسلامی فرقے اور غالیوں کے انحرافات ۱۳۸
مفہوم تشیع ۱۴۱
تشیع کا عمومی مفہوم ۱۴۴
تشیع کا خصوصی مفہوم ۱۴۸
اثنا عشری عقیدہ ۱۴۹
انحرافی راہیں ۱۵۴
غلو اور غلو کرنے والے ۱۵۷
عبداللہ بن سبا ۱۶۹
غلاۃ کے سلسلہ میں اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں کا موقف ۱۷۱
غلاۃ کے بارے میں امیر المومنینؑ کا موقف ۱۷۲

غلاۃ اور امام زین العابدینؒ کا موقف ۱۷۳
غلاۃ اور امام محمد باقرؒ کا موقف ۱۷۳
غلاۃ اور امام جعفر صادقؒ کا موقف ۱۷۴
غلاۃ اور امام موسیٰ کاظمؒ کا موقف ۱۸۱
غلاۃ اور امام رضاؒ کا موقف ۱۸۴
غلاۃ اور امام علی بن محمد ہادیؒ کا موقف ۱۸۸
پانچویں فصل ۱۹۵
حقیقت تشیع ۱۹۷
اصول کا یہودی شبہ ۱۹۸
اہل فارس کا شبہ ۲۰۳
خاتمہ ۲۱۰
مصادر و منابع ۲۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے، کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت وظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے، حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ وکلیاں رنگ ونکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ وراہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت وقابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و مؤسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا سے مشعل حق لے کر آئے اور علم وآگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق وحقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران وروم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت وعمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل وآگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں. یہی وجہ

ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگر چہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گراں بہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اوران کے پیروؤں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردی گئی تھی، پھر بھی حکومت وسیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشت پناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامران زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(اہل بیتؑ عالمی کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں، خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیروؤں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا، وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا

فریضہ ادا کرے، تا کہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوت و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدوخال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خون خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں. زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علام صباح علی بیاتی کی گرانقدر کتاب ''حقیقۃ التشیع'' کو فاضل جلیل جناب مولانا سید مبین حیدر رضوی بلرام پوری نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

کچھ اپنی باتیں

یہ زمانہ ترقیاتی وتحقیقاتی زمانہ ہے، اس دور میں کسی حقیقت تک رسائی اتنا مشکل نہیں جتنا گذشتہ چند صدیوں قبل تھا، اگر کوئی شخص کسی مذہب یا فرقہ کے عقائد وافکار ونظریات کو جاننا چاہتا ہے تو عظیم کتاب خانے یا وہی کتب، کم حجم ''سی ڈیوں'' میں موجود ہیں، لیکن اگر تحقیق وتفحص کا در چھوڑ کر صرف اندھی تقلید کی جائے اور صرف وہی راگ الاپے جائیں، جن کو کچھ لوگ صرف عناد وعصبیت کی بنا پر لوگوں کے درمیان پھیلا گئے تو قطعاً معقول ومنطقی نہیں ہوگا. اس عصر کے محققین ومولفین انھیں جیسے مسائل سے دوچار ہیں اور ادیان ومذاہب بالخصوص فرقۂ شیعہ کے سلسلہ میں بالکل انصاف سے کام نہیں لیتے بلکہ آنکھوں پر اندھی تقلید کی عنادی پٹی باندھ کر صرف گذشتہ کتابوں پر اندھا دھند بھروسہ کیا، جن کے راوی ساقط الاعتبار، اور ثقہ کی منزلوں سے دور ہی نہیں بلکہ بعض تو بالکل خیالی وموہومی تھے۔

یہ بھی ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ مذہب تشیع پر جتنا کیچڑ اچھالا گیا اور لعن وطعن کا مرکز بنایا گیا اتنا کسی فرقہ کے سلسلہ میں نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مذہب حق ہمیشہ ظالم وجابر وغاصب حکومتوں کو للکارتا رہا اور کسی حاکم کے تخلیقی مذہب کے سائے تلے چلنے کو تیار نہیں ہوا جس کے سبب ہر زمانہ

میں ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ابتدائے اسلام میں کفار و مشرکین مقابل تھے جنگوں میں یہودی اور دشمنان اسلام برسرپیکار تھے، رسولؐ کی حیات اور بعد وفات، منافقت علم قد کئے تھی، اور بعد میں اموی وعباسی خلفاء نے خاطر خواہ اس بات کی کوشش کی کہ یہ مذہب اور اس کے ماننے والے یا تو ختم ہو جائیں اور اگر جیتے ہیں تو روسیاہ روزگار بن کر...

وہ بیج جس کو فاسق اموی حکام نے بویا تھا، عباسی خلفاء نے اس کی آبیاری کی، اور بعد کے سلاطین نے اس کو خوب ہوا دی، یہاں تک کہ طبری نے عبداللہ بن سبا نامی ایک راوی بھی خلق کر ڈالا...اور ان کے بعد کے افراد نے وہی کچھ دہرایا جو آموختہ اموی وعباسی حکمرانوں نے تیار کیا تھا۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں انھیں حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور حقیقت تشیع کو اجاگر کیا گیا ہے اور اس بات کی مکمل وضاحت کی گئی ہے کہ شیعیت پر ناروا تہمتیں لگانے کا اصل راز کیا ہے، غلو کیا ہے؟ اور غلاۃ کون ہیں؟ ان کے بارے میں اہل بیتؑ اور شیعہ اثنا عشری علماء کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ اور ان جیسے بہت سارے دلچسپ سوالوں پر بڑی عالمانہ بحث کی گئی ہے۔

مجمع جہانی اہل بیتؑ ایک عالمی ادارہ ہے جس کا نصب العین تشیع کی خدمت ہے یہ کتاب مجمع جہانی اہل بیتؑ کی پیشکش ہے کتاب کا اصلی نام "حقیقۃ التشیع" ہے جو کہ عربی زبان میں لکھی گئی ہے اس کی افادیت کا علم مطالعہ کے بعد ہی ہوگا. صاحبان علم وادب سے مفید نظریات کی امید ہے۔

خاکپائے اولاد زہرا(س)

سید مبین حیدر رضوی بلرام پوری

عرض مجمع جہانی

انسان کی فطرت میں اختلافات ہے لیکن پروردگار چاہتا ہے کہ یہ اختلافات مثبت رخ اختیار کریں اور دائرۂ ایمانی میں صحیح رخ سے نظریاتی اختلاف ہوں، خاص طور سے ایسے اختلاف جس سے کوئی مثبت پہلو نکل سکے. لہٰذا ایسا ثابت معیار ضروری تھا جس کی طرف اختلاف کرنے والے رجوع کریں۔

اسی کے پیش نظر اس نے کتاب نازل کی تا کہ لوگوں کے بے تکے اختلافات کا فیصلہ ہو سکے۔ (۲،۱)

اس قرآن کریم کے بغیر حیات انسانی سنبھل نہیں سکتی. قرآن کریم کا مقرر کردہ یہ قانون توحید مطلق کے اصول پر قائم ہے. اس کے بعد انحراف واختلاف وافسانے وجود میں آئے ہیں اور لوگ اصل حق و مرکز سے بہت دور چلے گئے ہیں، یہاں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کبھی بھی افراد ملت حق وباطل کا میزان نہیں بن سکتے جب تک وہ ہوا و ہوس اور بغاوت و گمراہی کے شکار ہیں۔

اسی سبب قرآن آیا پھر بھی ہوائے نفس ادھر ادھر سے انسانوں پر غالب ہوتے رہے، طمع ورزی، ہوا و ہوس، خوف و گمراہی نے لوگوں کو حکم قرآن ماننے سے دور رکھا اور ان لوگوں کو حق کی جانب واپس آنے سے روکے رکھا، لہٰذا بغاوت (قرآنی نص کی روشنی میں) وہ ہے جو انسان کو اس جانب لے گئی جہاں اختلاف، عناد، اور دنی النفسی تھی۔

(۲،۱) سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۳

اختلاف وتفرقہ کا دوسرا سبب جہالت بنی، جبکہ جاہل کو عالم سے اس چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہیئے جو اس کو نہیں آتا، حکم خدا ہے: ﴿فَاسْئَلُوْا أَهلَ الذِّكرِ إِن كُنتُم لاتَعلَمُونَ﴾(۱) اگر تم کسی چیز کا علم نہیں رکھتے تو صاحبان علم سے سوال کرو۔

اسی لئے جاہل کا اس عقل پسند اصل سے آگے بڑھ جانا ان واضح قواعد سے آگے بڑھ جانا تھا جن کی شان یہ تھی کہ راہ اختلاف کو بند کردیں۔

اسلام وہ ہمیشہ باقی رہنے والا دین ہے جس کی حقیقتیں کتاب خدا اور اس کے رسولؐ کی سنت کی صورت وجود میں آئیں جو کبھی اپنی مرضی سے کلام نہیں کرتا۔

اللہ اور اس کا رسول یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اس کے بعد لوگ ضرور اختلاف کے شکار ہو جائیں گے جس طرح حیات رسولؐ میں اختلاف کے شکار ہو گئے تھے۔

اسی کے پیش نظر قرآن نے رسولؐ کے بعد امت کے لئے ایسے چراغ قرار دیئے جو رسولؐ کے نقش قدم پر چلیں اور لوگوں کے سامنے ان باتوں کی تفسیر پیش کریں جن کو وہ سمجھنے سے قاصر ہیں. اور وہ ذوات مقدسہ، اہلبیت کرامؑ ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو رجس و پلیدگی سے پاک ہیں، انھیں کے جد محترم حضرت محمد عربیؐ کے قلب پاک پر قرآن نازل ہوا، اور انھوں نے قرآن کو رسولؐ سے حاصل کیا اور اس کے حقائق کو درک و محفوظ کیا، اور خدا نے ان کو وہ فضائل عطا کئے جو ان کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوئے، جیسا کہ رسول اکرمؐ نے حدیث ثقلین میں ان کی مرکزیت و مرجعیت کا اعلان کیا، لہٰذا یہ لوگ ہمیشہ شریعت محمدی کی حفاظت اور قرآن کریم کی غلط تفسیر اور غلط فہمی سے لوگوں کو دور کرنے کے لئے کوشاں رہے اور ہمیشہ اس کے بلند و عظیم مفاہیم کو بیان کرنے کی کوشش کی۔

---

(۱) سورۂ انبیاء، آیت ۷، سورۂ نحل، آیت ۴۳

لہٰذا امت کے مرجع اور مسلمین کے ملجأ و ماویٰ ہے، انھوں نے شبہات کا دفاع کیا اور سوالات کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور لوگوں نے سوال کرنے والوں کے ساتھ ان کے حسن رفتار کو بخوبی درک کیا، جو اس بات پر دلیل ہے کہ یہ لوگ اپنے جواب میں کس طرح عمیق ہیں اور اس پر دسترسی رکھتے ہیں، اور لوگوں پر ظاہر ہوا کہ یہ مقابلہ کے میدان میں ان کے علمی مرجع ہیں۔

میراث اہل بیتؑ جس کو ان کے مکتب نے محفوظ رکھا ہے اور ان کے مکتب فکر کے افراد اس کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے کوشاں رہے ہیں، یہ میراث ایسے مکتب کا پتہ دیتی ہے جو معارف اسلامی کی مختلف فروع کا مجموعہ ہے، اس مکتب نے اتنی استطاعت پیدا کرلی کہ ایسے افراد کی تربیت کرسکے جو اس شیرین چشمہ سے بقدر کفایت حاصل کرسکیں، اور اس نے ملت مسلمہ کے لئے ایسے نادر روزگار علماء کرام پیدا کیئے جو مقصد اہل بیتؑ کو فروغ دے سکیں .اور مختلف مذاہب و مکاتب فکر کی جانب سے اٹھنے والے سوالات، چاہے داخل اسلام ہوں یا خارج اسلام، ان کا مدلل و مسکت جواب دے سکیں اور یہ سلسلہ صدیوں کے ساتھ چلتا رہا ہے۔

مجمع جہانی اہلبیتؑ نے اس بات کی انتھک کوشش کی ہے کہ جو ذمہ داری اس نے اپنے کاندھوں پر اٹھائی ہے یعنی حریم رسالت اور اس کے حقائق کا دفاع کرسکے جس پر اسلام دشمن مکاتب فکر نے غلبہ پا رکھا تھا مجمع جہانی اہل بیتؑ نے اہل بیتؑ اور ان کے مکتب، ان کے پیروکاروں کی راہ کو اختیار کر رکھا تھا جو پے در پے چیلنجوں کا جواب دینے کے لئے آمادہ تھے مجمع جہانی نے ہمیشہ یہ چاہا ہے کہ ہر زمانے میں مناسب طرز کی بنیاد پر خطرات کا مقابلہ کرتا رہے۔

مکتب اہل بیتؑ سے وابستہ علماء کی کتب میں موجود تجربیات اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد ہیں، اس لئے کہ یہ علمی سرمایہ ہیں جو عقل و دلیل کے ذریعہ فیصلہ کرتے ہیں اور خواہش نفسانی اور عصبیت سے دور ہیں، اور علماء و مفکرین کو الٰہی دعوت فکر دیتے ہیں کہ جس کو عقل قبول کرے اور فطرت

سلیم مان لے۔

مجمع جہانی اہل بیتؑ نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ حقیقت کے طلبگاروں کے لئے ان مفید تجربوں کو نئے ڈھنگ یعنی گفتگو و مذاکرات اور شبہات کے جوابات کی شکل میں پیش کرے، جو گذشتہ ایام یا ان دنوں جو بالخصوص اسلام کے خلاف کینہ وحسد کا زمانہ ہے اور انٹرنیٹ وغیرہ کے حوالہ سے نت نئے مسائل سر اٹھاتے ہیں ان کا منھ توڑ جواب دے۔

مذموم یورش سے دوری اور عقل سلیم نیز حق کے طالب نفوس میں انقلابی فکر پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہیں تا کہ وہ حقائق آشکار ہو سکیں جس کو مکتب اہل بیتؑ نے اس زمانے میں پوری دنیا کے لئے پیش کیا ہے جس میں تیزی کے ساتھ عقلیں کمال تک پہنچ رہی ہیں اور نفس و روح میں رابطہ پیدا ہو رہا ہے۔

اس بات کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ابحاث کا یہ مجموعہ اس گروہ نے تیار کیا ہے جس کے نگراں اعلی شیخ ابو الفضل اسلامی (علی) ہیں اور ان کا ساتھ ان افاضل نے دیا ہے: سید منذر حکیم، شیخ عبد الکریم بہبہانی، سید عبد الرحیم، صباح علی بیاتی موسوی، شیخ عبد الامیر سلطانی، شیخ محمد امینی، شیخ محمد باشم عاملی، سید محمد رضا آل ایوب، شیخ علی بہرامی، حسین صالحی، عزیز عقابی، حفظہم اللہ تعالی۔

ہم اصحاب فضل و تحقیق شیخ ہادی یوسفی غروی، شیخ جعفر الہادی، استاد عبد الحمید کے بہت ہی شکر گذار ہیں کہ انھوں نے ان تمام بحثوں کے مجموعہ پر بڑی زحمات برداشت کیں۔

ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ جو کچھ اپنی سکت بھر اپنے فریضہ کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے جو در حقیقت رسالت الٰہی کا ابلاغ ہے خدا اس کو قبول کرے، یہ وہ رسالت ہے جس کو خدا نے اپنے عظیم رسولؐ کے اوپر نازل کیا تا کہ یہ دین تمام ادیان عالم پر غالب آ جائے اور خدا اس گواہی پر کافی ہے۔

مجمع جہانی اہلبیتؑ

قم المقدسہ (ایران)

حقیقت تشیع اور اس کی نشو ونما

مقدمہ

الحمد للہ ربّ العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی محمّد و آلہ الطاهرین و صحبہ المنتجبین.

جدید وقدیم محققین ومولفین کے نزدیک حقیقت تشیع اور اس کی نشو ونما بہت ہی توجہ کا حامل رہی ہے اس سلسلہ سے بہت ہی افکار ونظریات کی ردو بدل ہوئی ہے. اکثر مولفین نے یہ نظریہ دیا ہے کہ شیعہ وہ فرقہ ہے جو کہ عقائد کی تقسیمات کے دور میں وجود میں آیا ہے اور امت مسلمہ کی جانب سے بہت ہی بسط وتفصیل کا موضوع قرار پایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عقائدی اختلافات سیاسی تقسیمات کے سبب وجود میں آئے ہجرت سے لیکر تقریباً نصف صدی سے کم مدت میں یہ کام ہوا ہے اور وہ حادثات جن کے سبب مسلمان مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور ایک دوسرے کا خون حلال گردانے لگے، اور ہر فرقہ یہ سمجھنے لگا کہ صرف وہی حق پر ہے اور اس کا حریف گروہ باطل پر ہے، اسی کے سبب اسلامی فرقے اپنے نظریات کو ڈھالنے کے درپے ہو گئے اور اس کام کے لئے انھوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی غلط تاویل بھی کی، اس وقت یہ مسئلہ اور ہی خطرناک رخ اختیار کر گیا، جب ان فرقوں نے مناظرے شروع کر دیئے اور عصبیت کے سبب احادیث رسولؐ کے سلسلہ

میں جرأت و جسارت سے کام لیا، اور حدیثوں کو گڑھنا اور بے جا و غیر مناسب جگہ منسوب کرنا شروع کر دیا جس کو وہ اپنی نظر میں بہتر سمجھتے تھے، اور دوسرے فرقہ کی مذمت میں جعلی حدیثوں کا دھندا شروع کر دیا، ان جعلی اور جھوٹی حدیثوں میں ایسی حدیثیں بھی وجود میں آئیں:

”سیکون فی امتی قوم لهم نبز یقال لهم الروافض اقتلوهم فانهم مشرکون“

(عنقریب میری امت میں ایک گروہ پیدا ہوگا جن کی عادت دوسروں کو برے نام سے یاد کرنا ہوگی جن کو رافضی کہا جائے گا، ان کو قتل کر دینا کیونکہ وہ مشرکین ہیں)

جبکہ فرقوں کے سلسلوں میں کتابیں لکھنے والوں کے نزدیک یہ رائج ہے کہ جناب زید بن علی بن الحسینؑ نے رافضی کا نام، ان افراد کو دیا جنھوں نے آپ کے قیام میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا. یہ لفظ اور اس کے علاوہ دیگر الفاظ، اہل سنت مخالف فرقوں کے لئے استعمال کئے گئے، جبکہ حیات رسولؐ میں بالکل نہیں پائے جاتے تھے۔

احادیث متواتر میں ایک وہ حدیث جو فرقوں کی تہتر قسموں پر تقسیم کے سلسلہ میں ہے کہ ایک نجات یافتہ ہے بقیہ سب جہنمی، اس کو سب نے نقل کیا ہے. اور ہر فرقہ نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ یہ ثابت کرلے جائے، کہ اس کامیاب فرقہ سے مراد ہم ہیں اور ہمارے علاوہ سب جہنمی ہیں۔

اس وقت تو اور مٹی خراب ہوگئی، جب شب و روز کی گردش کے ساتھ یہ عقائد سرایت کرنے لگے اور یہ جعلی حدیثیں، حدیثی مجموعوں میں شامل ہوگئیں اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ یہ کلام نبیؐ ہے جب کہ یہ اسماء و اصطلاحیں حیات رسولؐ اور ان کی وفات کے بعد کچھ دن تک بالکل رائج نہیں تھیں اور لوگوں کے درمیان اس وقت پھیلنا شروع ہوئیں، جب کلامی ”معرکہ“ شعلہ ور ہونے لگے اور یہ اس وقت وجود میں آئے، جب اجنبی ثقافت والے مسلمان ہونے لگے یا مسلمان ان ثقافتوں سے متاثر ہونے لگے، جن کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا، ہر مکتب فکر نے اپنے عقیدہ کے لئے الگ فلسفہ بگھارنا

شروع کردیا اور ان اصطلاحوں کی خول پہن لی جن کو یونانی، ایرانی، ہندستانی فلسفیوں نے ایجاد کیا تھا۔

جب تدوین و ترتیب کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا اور اسلامی مفکرین مختلف علوم و فنون میں دسترسی حاصل کررہے تھے، اس وقت مختلف مکاتب فکر کے افراد نے خلافت و امامت اور اسلوب خلافت کے سلسلہ میں مناظرہ کرنا شروع کیا۔ مصیبت اس وقت آئی جب ادیان و مذاہب پر کتابیں لکھی جانے لگیں، کیونکہ اس میدان میں قلم فرسائی کرنے والے شہرستانی و بغدادی جیسے بیشتر افراد کا تعلق ان اہل سنت سے تھا جو امت اسلامیہ کی اکثریت کے نظریہ کو مجسم کرتے تھے۔

یہ ساری تالیفات کا مرکز ایک معین نقطہ تھا اور ان کی کوشش یہ تھی کہ اسلامی فرقوں کو تہتر فرقوں میں تقسیم کرنا ہے اس کے بعد بہتر (۷۲) کو گمراہ ثابت کر کے ایک فرقہ کو نجات یافتہ بنانا ہے اور وہ فرقہ اہلسنت والجماعت کا ہے، اور دیگر فرقے جن میں سے ایک شیعہ بھی ہے ایک بدعتی اور راہ حق سے گمراہ فرقہ ہے، اسی کے سبب اس فرقہ کے وجود و عقائد کے سلسلہ میں نظریاتی اختلاف ہوئے، کبھی یہ کہا گیا کہ یہ فرقہ عبداللہ بن سبا کی تخلیق ہے اور اس کے عقائد کی بنیاد یہودی ہے اور کبھی اس کا ڈھونگ یہ رچایا گیا کہ یہ فرقہ ایرانیوں کے مرہون منت ہے اور اس کے افکار و عقائد مجوسیوں سے متاثر ہیں، دوسرے مقامات پر یوں بدنام کیا گیا کہ اہل بیتؑ پر از حد مظالم، جیسے کربلا میں حضرت امام حسینؑ اور ان سے قبل حضرت امیرؑ کی شہادت، کے ردعمل کے طور پر یہ فرقہ وجود میں آیا۔

اس طرح اس فرقہ کی نشو ونما کی تاریخ کے سلسلہ میں اقوال بے شمار ہو گئے، بعض نے یوں غم غلط کیا کہ اس کا وجود سقیفہ کے حادثہ کے بعد ہوا ہے، بعض نے یوں دل کا بوجھ ہلکا کیا کہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں فتنوں کے بعد رونما ہوا ہے، بعض نے یوں آنسو پونچھے کہ جمل یا صفین یا شہادت امام حسینؑ کے بعد معرض وجود میں آیا۔

ظہور تشیع کے سلسلہ میں اس تشنہ نظریہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی طرح شیعیت کے عقائد کی بالکل معرفت نہیں رکھتے، یہ امت مسلمہ کی سوچ اور باطل عقیدہ کے مطابق عام امتوں کی طرح ایک دم وجود میں نہیں آئی ہے، بلکہ یہ اسلام کے عقائد کا مکمل اور حقیقی مظہر ہے. اس کی بنیاد رسول اکرمؐ نے رکھی ہے اور روز بروز اہلبیت کرام کے زیر سایہ پروان چڑھی ہے۔

اہلبیتؑ نے اس کے رموز و اسرار بیان کیے ہیں اور شبہات کا جواب دیا ہے اور سفاک مزاج افراد کے مد مقابل رہے ہیں. اہل بیتؑ کی کسر شان کرنے کے مقاصد میں ایک اور اصل مقصد یہ تھا کہ اسلام کا نام ونشان مٹ جائے، اسی لئے بعض افراد نے خلط ملط کیا۔

چنانچہ انھوں نے شیعوں میں سرایت کرنے والے ان افراد کے عقائد کو شیعوں کی طرف یہ کہہ کر منسوب کر دیا کہ یہ شیعی فکر اور عقیدہ کا مظہر ہیں، جو اسلام کی بربادی چاہتے ہیں اور اسلام میں آمریت کے قائل ہیں۔

وہ تو یہاں تک کہہ بیٹھے کہ شیعیت ان تمام تخریبی افکار کی پناہ گاہ بن چکی ہے جن کا مقصد عربیت اور اسلام کا خاتمہ کرنا ہے۔

متقدمین اسی نظریہ پر چلے اور آنے والے افراد نے ان کی اتباع کی۔

واقعی افسوس کا مقام ہے کہ اس عصر کے محققین نے شیعہ و تشیع پر لعن طعن صرف گذشتہ افراد کے اقوال پر بھروسہ کے سبب کرنا شروع کر دیا اور انھوں نے اتنی زحمت برداشت کرنا گوارہ نہ کی، کہ ہر فرقہ کے عقائد و نظریات کو بخوبی درک و تحقیق کریں، خاص طور سے اس جدید ترقیاتی دور نے ہر طرح کی تحقیق کا موقع فراہم کر دیا ہے اور تمام طالبان حقیقت کے لئے علمی بحث کے وسائل فراہم کر دیے ہیں۔

حقیقت کو درک کرنے کے لئے ایک محقق کے لئے ضروری ہے کہ وہ تعصب سے کام نہ لے

اوراگر یہ شرط ختم ہوگئی تو پھراس کی تحریروں سے حقیقت کے ظاہر ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی ہے۔

اس زمانہ میں ایسے محققین کا فقدان نہیں ہے خاص طور سے بعض شرق شناس (مستشرقین) ہیں جنھوں نے حق کے سوا کسی چیز کونہیں تلاش کیا اورحق وحقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا، جیسا کہ شیعہ مولفین ومحققین نے اس حوالہ سے کتابیں تصنیف کیں اور راہ حق میں تحقیق کی تاکہ اس راہ میں جوبھی حق کوتلاش کرنا چاہے اس کے لئے آسانی ہو۔

ہماری ان بحثوں کے ضمن میں ایک ناچیز کوشش یہ بھی ہے اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس سے مکمل طور پر ہروہ شخص استفادہ کرے جوانتفاع کاارادہ رکھتا ہے یا کچھ حق سننا چاہتا ہے، خدااس پر گواہ ہےاورخداسب کی نیتوں سے بخوبی واقف ہے۔

پہلی فصل

پہلی فصل

اسلام اور تسلیم

مشہور لغت داں، ابن منظور کے بقول اسلام اور تسلیم یعنی: اطاعت شعاری۔

اسلام، شرعی نقطۂ نظر سے یعنی: خضوع کے ساتھ شریعت کے قوانین کا اعتراف اور نبی اکرمؐ کے لائے ہوئے احکام کا پابند ہونا ہے اور انھیں امور کے سبب خون محترم اور خداوند تعالیٰ سے برائی ٹالنے کی التجا کی جاتی ہے. اور ثعلب نے مفید و مختصر طور پر کتنی اچھی بات کہی ہے کہ: اسلام، زبانی اقرار کا نام ہے اور ایمان دل سے اعتراف کا. اسلام کے بارے میں ابا بکر محمد بن بشار نے کہا کہ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں شخص مسلمان ہے تو اس سے دو بات سمجھ میں آتی ہے. ۱- وہ احکام الٰہیہ کا تابعدار ہے.
۲- عبادت خداوندی میں مخلص ہے۔(۱)

یہاں پر ہم دونوں کے درمیان فرق پیدا کر سکتے ہیں جو کہ پہلی فرصت میں آسانی سے بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ''استسلام لامر اللّٰہ''(احکام الٰہیہ کی تابعداری) اور ''اخلاص للعبادۃ'' (عبادت خداوندی میں خلوص) کے درمیان فرق ہے۔

پہلے معنی کے رو سے اسلام اس حقیقت ایمان سے زیادہ وسیع دائرہ رکھتا ہے جو انسان کے پروردگار کے رابطہ کو مضبوط کرتا ہے کیونکہ حکم خدا کی تابعداری، اوامر و نواہی الٰہی کی مکمل پیروی

....

(۱) لسان العرب، ج۱۲، ص۲۹۳

پر مشتمل ہے اور حکم خداوندی پر اپنی رائے کو مقدم نہ کرنا ہے۔

اسی کے پیش نظر مسلمان جو کچھ نبی اکرمؐ لائے ہیں ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دیتا ہے کیونکہ آپ خدا کی جانب سے آئے ہیں اور اس بات کا عقیدہ رکھتا ہے کہ رسول اکرمؐ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ آپ پر وحی کا نزول ہوتا ہے وہ چاہے احکامات شریعت ہوں یا عبادات کی ادائیگی، آپسی اختلافات ہوں یا نظریاتی چپقلش اور یہ سب خدا کے اس حکم کے پیش نظر ہے. ﴿وَ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَ مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾(۱) ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ﴾(۲) ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾(۳)

(اور جو کچھ بھی رسول تمہیں دیدے اسے لے لو، اور جس چیز سے منع کردے اس سے رک جاؤ، پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو، پس آپ کے پروردگار کی قسم کہ یہ ہرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلاف میں حکم نہ بنائیں اور پھر جب آپ فیصلہ کردیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائیں)

مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں سے جس اسلام کو چاہا ہے اس سے مراد کیا ہے؟ اور وہ ہے فرامین نبوت کی تمام معنی میں اطاعت، چاہے یہ احکام عام انسانی نظریات و آراء کے برخلاف ہی کیوں نہ ہوں، یا خود انسان یہ سوچے کہ مصلحت اس کی خلاف ورزی میں ہے۔

---

(۱) سورۂ حشر، آیت ۷ (۲) سورۂ نساء، آیت ۵۹ (۳) سورۂ نساء، آیت ۶۵

لہٰذا خدا نے بتلادیا ہے کہ خدا ورسول کے آگے سر تسلیم خم کرنا ان تمام مصلحتی تقاضوں پر مقدم ہے جو انسان کی اپنی فکری یا بعض فکری بیمار سیاست کی کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے. اور یہ کہ اسلام کو خضوع وخشوع کا مرقع ہونا چاہئے. اور ارادۂ نبوی کا مطلق مطیع وفرمانبردار ہونا چاہئے. کیونکہ آپ خدا کے رسول ہیں اور آپ کی اطاعت، استمرار اطاعت خداوندی ہے۔!

لیکن دوسری اصطلاح کے مطابق عبادات الٰہیہ میں اخلاص کا ہونا یعنی مسائل شرعیہ میں اخلاص پیدا کرنا ہے جو کہ اعضاء و جوارح سے متعلق ہیں جیسے نماز، روزہ، حج اور ان جیسے احکامات، اس کے مفہوم کا دائرہ پہلے معنی کے بنسبت محدود ہے جو اوامر ونواہی نبوی سے متعلق ہے، اس لئے کہ احکام شرعیہ کی پابندی میں لوگوں کی اکثریت شامل ہے اور وہ اس کو بجالانے میں کوشاں ہیں۔

البتہ بسا اوقات کچھ لوگ کسی مشکل کی وجہ سے اس قانون کی تاب نہیں لا پائے یا کبھی کسی حکم کی نافرمانی اس وجہ سے کر بیٹھتے ہیں کہ ان کی نظر میں وہ حکم مصلحت کے برخلاف ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے ان دونوں صورتوں کی بڑی حسین تقسیم کی ہے، پہلے کا نام ایمان، اور دوسرے کا نام اسلام رکھا ہے۔

بادیہ نشینوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾(۱)

(یہ بدو عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ اسلام لائیں ہیں کہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے)

بادیہ نشینوں نے احکام شرعیہ کی بجا آوری میں سہل انگاری سے کام لیا تو ان کو تنبیہ کی کہ تمہاری یہ حرکتیں ایمان کے (جو کہ اطاعت خدا ورسول کے معنی میں ہیں) بالکل منافی ہیں، (قرآن نے) ان

(۱) سورۂ حجرات، آیت ۱۴

کے موقف کا اظہار بھی کر دیا، اوران میں سے بعض افراد کے غلط نظریات کو طشت از بام کر دیا جنھوں نے غزوہ تبوک کے مسئلہ میں حکم رسالت کی نافرمانی کی تھی، خدا نے ان کی مذمت کی ہے، کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ حکم رسالت کی نافرمانی ہی میں بھلائی اور مصلحت ہے وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ اس حکم میں وسعت اور اختیار ہے لہٰذا مخالفت کر بیٹھے۔

قرآن کریم نے ان کی سرزنش کی اور بعض اصحاب کی تنبیہ کی جنھوں نے علم بغاوت بلند کر رکھا تھا، اور قرآن کا لہجہ اس سلسلہ میں بہت سخت تھا۔

اجتہاد کے سلسلہ میں بعض اصحاب کا موقف

بعد حیات رسول اس موضوع کی زیادہ وضاحت ہوئی کہ تمام کے تمام اصحاب اطاعت نبوی میں ایک مرتبہ پر فائز نہیں تھے، دو دھڑے میں تقسیم ہو گئے تھے، بعض اس نظریہ کے قائل تھے کہ رسول کے اوامر و نواہی مسلمات دینی میں سے ہیں ان کی خلاف ورزی کسی صورت میں صحیح نہیں ہے اور ایسے افراد کی تعداد بہت کم تھی اور انھیں کے بیچ وہ افراد بھی تھے جو اس حد تک روشن فکر تھے کہ احکام نبوی میں کتر بیونت کرتے تھے بلکہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ عصری تقاضوں کے تحت اس کی مخالفت بھی کی جا سکتی ہے، حد یہ کہ مصلحت کے پیش نظر بعض سنت نبوی سے بھی لوگوں کو دور رکھا جا سکتا ہے، جس کے ثبوت میں اوارق تاریخ گواہ ہیں۔

رسول اکرمؐ جب اپنے اصحاب کے ہمراہ ابوسفیان کے قافلہ کی تلاش میں نکلے تو اس وقت ابوسفیان کی قدرت وتدبیر بھی اس کو مسلمانوں سے نہیں بچا سکتی تھی اور مشرکین مکہ ان کی پشت پناہی اوران کے اموال کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ جب مشرکین مکہ اور مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہوئی، تو اس وقت نبیؐ کا ارادہ سب پر واضح اور روشن تھا کہ ''ہم نہیں یا تم نہیں'' اس وقت مشرکین مکہ خاص طور سے ان کا سردار ابوجہل مسلمانوں سے جنگ پر اتاولہ ہو رہا تھا اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سنہری موقع ہے کہ

ان (مسلمانوں) کی بیخ کنی کر دیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نبوت کا چین چھین لیں گے۔

ایسے روح فرسا حالات میں پیغمبرؐ کا مسلمانوں کے ہمراہ جنگ کئے بغیر واپس آ جانا جنگ سے فرار ہی شمار کیا جائے گا۔

بسا اوقات تو مشرکین مسلمانوں کے محلہ میں آپسی جھگڑوں میں جسارت کی حد تک پہنچ جاتے تھے اور یہ تو بہت بڑا المیہ تھا کہ اصحاب، جنگ میں مرضی نبوت کے خلاف اقدام کرتے تھے اور ایک کثیر تعداد فکری تائید نہیں کرتی تھی بعض زبان دراز تو یہاں تک کہہ بیٹھے کہ جنگ کی بات کیوں نہیں ختم کرتے تا کہ ہم سکون کی سانس لے سکیں! ہم تو مال و متاع کے لئے نکلے تھے۔

روایت میں آیا ہے کہ (کسی نے کہا) یا رسول اللہ! ''آپ مال و متاع پر نظر رکھئے دشمن کو جانے دیں'' تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔

ابو ایوب کہتے ہیں: کہ ایسے ہی وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَ إِنَّ فَرِيقاً مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ﴾ (۱)

(جس طرح تمہارے رب نے تمہیں تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا اگرچہ مومنین کی ایک جماعت اسے ناپسند کر رہی ہے)

پیغمبر جب جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو رمضان کا مہینہ تھا۔ آپ نے اس وقت ایک، یا دو روزہ رکھا تھا اس کے بعد واپس آئے تو آپ کے نقیب نے یہ صدا دی کہ: اے گنہگارو! میں نے افطار کر لیا ہے لہٰذا تم بھی افطار کر لو۔ اس کے قبل ان سے یہ کہا جا چکا تھا کہ افطار کر لو لیکن ان کے کان پہ جوں نہیں رینگی تھی۔ (۲)

---

(۱) سیرۃ نبویہ و آثار محمدیہ، زینی دحلان حاشیہ سیر حلبیہ، ج ۱ ص ۳۷۰، سورۂ انفال، آیت ۵

(۲) المغازی للواقدی، ج ۱ ص ۴۸۔ ۴۷

بلکہ بعض افراد کی رائے، جنگ کے سلسلہ میں ارادہ نبوت کے بالکل خلاف تھی جب رسولؐ نے اصحاب سے مشورہ کیا تو عمر بن الخطاب نے کھڑے ہوکر کہا کہ یا رسول اللہ خدا کی قسم وہ قریش ہیں اور صاحبان جاہ وحشم، جب سے وہ صاحب عزت ہوئے ہیں آج تک ذلیل نہیں ہوئے، جب سے کفر اختیار کیا آج تک ایمان نہیں لائے، خدا کی قسم وہ اپنی آبرو کا کبھی بھی سودا نہیں کریں گے وہ آپ سے ضرور بالضرور اور ہمیشہ برسرپیکار رہیں گے. یہ سننے کے بعد پیغمبرؐ نے عمر کی جانب سے منہ پھیر لیا۔(۱)

دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ وہیں ایسے اصحاب بھی تھے جن کا نظریہ اور ان کی سوچ ان سے بالکل مختلف تھی۔

مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ آپ حکم خدا کی پیروی فرمائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں، خدا کی قسم ہمارا وہ جواب نہیں ہوگا جو قوم بنی اسرائیل نے اپنے نبی کو دیا تھا: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلا إِنَّا هاهُنَا قَاعِدُونَ﴾(۲)

(آپ اپنے پروردگار کے ساتھ جا کر جنگ کیجئے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں)

بلکہ آپ اور آپ کا خدا جنگ کرے اور ہم آپ کے شانہ بشانہ ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو خلعت نبوت سے نوازا، اگر آپ کے ساتھ پاتال میں بھی جانا ہوا تو ہم تیار ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے کہا: خیر ہے۔

سعد بن معاذ جو کہ انصار میں سے تھے کھڑے ہوئے اور عرض کی:

....

(۱) المغازی للواقدی، ج۱، ص۴۸۔۴۷

(۲) سورۂ مائدہ، آیت ۲۴

یارسول اللہؐ! ہم آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کی، جو کچھ لائے اس پر گواہ ہیں، ہم بسر وچشم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور وفاء عہد کا وعدہ کرتے ہیں۔

اے نبی خدا! آپ کو جو قدم اٹھانا ہے وکر گذریں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسالت کے عہدے پر فائز کیا، اگر آپ کا حکم اور مرضی اس بات میں ہے کہ اتھاہ سمندر کے پانی کو متھ کرر کھ دیں تو ہمارا آخری آدمی بھی پیچھے نہیں ہٹے گا، جو چاہے انجام دیجئے اور جس سے چاہے چشم پوشی اختیار کیجئے، ہمارے اموال واثاث میں سے جو اور جتنا چاہیں لے سکتے ہیں۔

جتنا آپ انتخاب کرلیں گے وہ ہمارے بچے ہوئے مال سے زیادہ محبوب ہوگا، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ہم اس راہ (اسلام) پر جب سے گامزن ہوئے کبھی آئندہ کی فکر لاحق نہیں ہوئی اور نہ ہی دشمنوں سے مڈبھیڑ میں گھبرائے، ہم وقت جنگ صابرین میں سے ہیں۔

روز محشر اس بات کی تصدیق فرمادیجئے گا، شاید خدا ہمارے ان اعمال کو قبول کرے جو آپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب بنے۔(۱)

ان کلمات سے اصحاب کے موقف کا علم ہوتا ہے کہ وہ تسلیم یا عدم تسلیم میں کس چیز کو اہمیت دیتے تھے۔

اس سے اور آگے بعض اصحاب کے آراء ونظریات اس درجہ روشن تھے کہ نبی کی رائے پر غالب تھے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ نص نبوی کے مقابل اجتہاد فرمارہے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ وہ حکم نبوی کی پیروی کسی صورت میں نہیں کرنا چاہتے تھے، اور ایسے حادثات متعدد مقامات پر رونما ہوئے ہیں۔

....

(۱) المغازی، للواقدی، ج۱، ص ۴۸۔۴۷

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک بار ابو بکر رسولؐ کے پاس آئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ! میں ایک وادی سے گذر رہا تھا وہاں پر ایک نہایت حسین اور وجیہ زاہد کو عبادت میں مشغول پایا، تو اس وقت رسول نے ابو بکر سے کہا کہ جاؤ اور اس کو قتل کر دو۔

سعید کہتے ہیں: ابو بکر گئے اور اس کو اس حالت میں دیکھ کر پس و پیش میں پڑ گئے کہ اس کو کیسے قتل کریں، واپس آئے تو رسولؐ نے عمر کو حکم دیا: ''جاؤ اور اس کو قتل کر دو'' عمر گئے جس کیفیت میں ابو بکر نے دیکھا تھا انھوں نے دیکھ کر قتل کا فیصلہ بدل دیا. واپس آ کے عرض کیا، یا رسول اللہؐ وہ جس خضوع وخشوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے میرا دل مَسوس کر رہ گیا کہ اس کو ناحق قتل کر دوں۔

آپ نے امیر المومنین حضرت علیؑ کو حکم دیا: ''جاؤ اور اس کو قتل کر دو'' امیر المومنینؑ گئے تو وہ وہاں نہیں تھا آپ واپس آئے اور آ کر خبر دی کہ میں نے اس کو نہیں دیکھا۔

آپ نے فرمایا: وہ اور اس کے ہمنوا قرآن کا رٹا لگائیں گے، مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا وہ لوگ دین سے ایسے خارج ہو گئے ہیں جیسے تیر کمان سے چھوٹ جاتا ہے، وہ دین میں واپس نہیں آسکتے مگر تیر سوفا، (کمان) میں واپس آجائے (اور دونوں ناممکن ہے) لہٰذا ان کو قتل کر دو وہ گنہگار گروہ ہے۔(۱)

صلح حدیبیہ کے وقت پیغمبرؐ نے قریش کے ہر مطالبہ کو پورا کیا، جس کے سبب اصحاب میں یہ خبر گشت کرنے لگی کہ رسولؐ نے ہم سب کو رسوا کیا ہے ہر چند کہ نبیؐ نے اس پر مصلحت کے تحت دستخط کیا تھا اور وہ بخوبی اس کو جانتے تھے اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رسولؐ کبھی اسلام و مسلمین کا نقصان نہیں چاہیں گے، اس کے باوجود بعض اصحاب اس بات کے معتقد تھے کہ پیغمبرؐ کے دستاویز پر دستخط کے خلاف حق اعتراض رکھتے ہیں۔

---

(۱) مسند احمد، ج ۳، ص ۱۵

عمر بن الخطاب نے بطور اعتراض پیغمبرؐ سے کہا، جس کو بخاری نے عمر ہی کی زبانی کچھ یوں نقل کیا ہے۔

عمر۔ یا رسول اللہ! کیا آپ حق پر نہیں ہیں؟

رسول اسلام۔ ہم حق پر ہیں۔

عمر۔ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟

رسول اسلام۔ ہاں ایسا ہی ہے۔

عمر۔ پھر ہم اپنے دین کے سلسلہ میں کیوں رسوا ہوں؟

آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں نے اب تک اس کی نافرمانی نہیں کی وہ میرا ناصر و مددگار ہے۔

عمر نے کہا: کیا آپ نے ہم لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ ہم لوگ اپنے گھر جائیں گے اور طواف کریں گے؟

آپ نے فرمایا: ہاں بالکل، لیکن کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ایک سال ایسا آئے گا (جب ہم گھر لوٹ کر خانۂ خدا کا طواف کریں گے)۔

عمر نے کہا: نہیں!

آپ نے فرمایا: وہ دن آنے والا ہے اور تم طواف کو انجام دے سکو گے۔

عمر کہتے ہیں کہ میں ابو بکر کے پاس گیا اور کہا کہ کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟

انھوں نے کہا: ہاں۔

میں نے کہا کہ کیا ہم حق اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟

ابو بکر نے مثبت جواب دیا، تو میں نے کہا کہ تو پھر ہم اپنے دین میں کیوں رسوا ہوں؟۔

ابوبکر نے کہا: اے مرد! وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ معصوم ہیں اور اللہ ان کا ناصر و مددگار ہے ان سے متمسک اور ان کے ہمرکاب رہو، واللہ وہ حق پر ہیں۔

میں نے کہا کہ کیا انھوں نے یہ نہیں کہا تھا ایک دن اپنے گھر لوٹیں گے اور خانۂ خدا کا طواف کریں گے ابوبکر نے کہا: ہاں۔

ابوبکر نے کہا: کیا انھوں نے یہ خبر دی تھی کہ اس سال خانۂ کعبہ جاؤ گے؟ میں نے کہا، نہیں۔

ابوبکر نے کہا: وہ سال آنے والا ہے اور تم طواف کرو گے۔

عمر کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر کے منشور پر عمل کیا۔

جب حدیبیہ کے دستاویز پر دستخط ہوگئی تو آپ نے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا: اٹھو قربانی کرو! اور سر کے بال تراشو، کوئی ایک بھی نہ اٹھا یہاں تک آپ نے اس جملہ کو تین بار دہرایا، پھر بھی جب کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا تو آپ ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف لے گئے اور سارا ماجرا بیان کیا تو ام سلمہ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا اس بات کو پسند فرماتے ہیں؟ آپ خیمہ سے باہر تشریف لے جائیں کسی سے کلام تک نہ کریں قربانی کریں اور اپنے سر کے بال ترشوالیں؟

آپ باہر آئے کسی سے کوئی کلام نہیں کیا اور قربانی کی، سر کے بال ترشوائے، جب لوگوں نے دیکھا تو قربانی پیش کی اور ایک دوسرے کے سر کے بال تراشے، کیفیت کچھ یوں تھی کہ شدت غم اور بے چینی کے سبب ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہوگئے تھے۔(۱)

یہ حادثہ خود اس بات کا غماز ہے کہ اصحاب کے نظریات مختلف اور متعدد تھے جب پیغمبرؐ نے عمر بن الخطاب سے کہہ دیا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور انھوں نے کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کی تو عمر کے

---

(۱) صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۱، کتاب شرط، باب شروط فی الجہاد و المصالحۃ مع اہل الحرب و کتابۃ الشروط، صحیح مسلم، باب صلح حدیبیہ،

لئے پیغمبرؐ کے موقف کو ثابت کرنے کے لئے اتنا کافی تھا، اس کے علاوہ پیغمبرؐ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ عنقریب اپنے گھر لوٹیں گے اور خانۂ خدا کا طواف کریں گے اس سال یہ کام نہیں ہو سکتا عمر کے لئے رسول کا اتنا جواب کافی نہیں تھا! جو وہ اطاعت نبوی کے بجائے عمل رسالت پر تبصرہ کرنے لگے، بلکہ وہ ابوبکر کے پاس گئے اور وہی بات من و عن دہرائی اور بات تو اس وقت اور بگڑ گئی جب اصحاب نے اطاعت رسالت سے انکار کر دیا، اور قربانی و حلق (سر کے بال تراشنے) سے منع کر دیا اس کے بعد تو حکم رسالت کی مخالفت زوروں پہ شروع ہو گئی یہاں تک کہ رسولؐ نے علی الاعلان تکلیف اور مخالفت کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ تھی رسول خداؐ اس حال میں تشریف لائے کہ چہرے پہ غصہ کے آثار تھے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کس نے آپ کو غضبناک کیا خدا اس کو جہنم رسید کرے۔

آپ نے فرمایا: کیا تم کو نہیں معلوم کہ میں نے لوگوں کو ایک بات کا حکم دیا اور وہ لوگ اس میں شک میں مبتلا ہیں، اگر میں کسی بات کا حکم دیتا ہوں تو اس کو واپس نہیں لیتا، میں نے اپنے ساتھ قربانی پیش کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا کہ مجھ کو بھی دیگر حجاج کی مانند قربانی خرید کر ان کی طرح احرام سے خارج ہونا پڑے۔

حضرت عائشہ ہی سے دوسری روایت ہے کہ رسول خداؐ نے کسی حکم میں اختیار دیا تھا لیکن اصحاب نے اس حکم سے پہلو تہی اختیار کی جب اس کی اطلاع آپ کو ہوئی تو آپ نے حمد خدا کے بعد فرمایا: اس قوم کو کیا ہو گیا ہے میں ایک حکم بیان کرتا ہوں اور یہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔

واللہ میں ان سے بہتر اللہ کے سلسلہ میں علم رکھتا ہوں اور ان سے کہیں زیادہ خوف الٰہی کا حامل ہوں۔(۱)

---

(۱) صحیح بخاری، ج ۵ ص ۱۴۵

گویا اس وقت کی امت اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ نبی تقویٰ و خوف الٰہی کا مظہر ہے آخران کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ نبوت کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے اور یہاں تک سوچ بیٹھے تھے کہ رسولؐ کا عمل حکم خدا کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، یہاں تک کہ آپ سے کنارہ کش اور آپ کو ننگ و عار کا سبب گرداننے لگے تھے۔

بعض تو کھلم کھلا رسولؐ کے اوامر و نواہی کی مخالفت کرنے لگے تھے، چاہے چھوٹی بات ہو یا بڑا مسئلہ، وہ تو یہ گمان کرنے لگے تھے کہ ان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ ہر چیز میں عمل دخل اور فتوی صادر فرمائیں، جو قول رسولؐ کے منافی ہو۔

جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ رسولؐ نے اس بات سے منع کیا تھا کہ عورتوں سے مقاربت نہ کریں اس کے باوجود ہم نے مجامعت کی۔

حکم کے دو رخ

بعض اصحاب کی جرأت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ احکامات و تعلیمات نبیؐ کا علی الاعلان انکار کرنے لگے اور وہ لوگ وحی الٰہی اور حکم نبیؐ، جو کہ عبادات سے مخصوص تھیں ان کے مقابل خود کو قانع تصور کرنے لگے تھے بلکہ اجتماعی، موروثی امور اور بعض عادات و رسومات یہاں تک کہ نبیؐ کے بعد سیاسی مسائل اور حکومت کی تشکیل میں وہ اپنا حق سمجھتے تھے کہ ان امور میں مداخلت کریں اور جس چیز میں بھلائی سمجھیں اس میں نص نبوی کے خلاف عمل کریں۔(۱)

اور اس بات کا بیّن ثبوت اسامہ بن زید کی سرداری کا مسئلہ ہے پیغمبرؐ نے اسامہ بن زید کو لشکر کی سرداری اور اپنے دست مبارک سے علم عطا کیا تھا رسولؐ کے اس عمل پر یہ خصوصی اہتمام بھی بعض

---

(۱) مسند احمد، ج ۳، ص ۳۰۸، مسند ابی یعلی، ج ۳، ص ۳۷۳

اصحاب کو اعتراض سے باز نہ رکھ سکا اور اسامہ پر یہ طعن و تشنیع کرنے لگے کہ یہ تو ناتجربہ کار نوجوان ہیں، اور مہاجرین وانصار میں سے سن رسیدہ اصحاب کی سرداری کی اہلیت نہیں رکھتے، جن میں ابوبکر، عمر، ابی عبیدہ جیسے افراد شامل تھے۔(۱)

پیغمبرؐ بیت الشرف سے غصہ کی حالت میں باہر آئے اور منبر پر تشریف لے گئے اس وقت آپ کی طبیعت بھی ناساز تھی۔

آپ نے فرمایا: لوگو! اسامہ بن زید کی سرداری کے بارے میں بعض لوگوں کی کیسی چہ می گوئیاں مجھ تک پہنچی ہیں؟ اگر تم لوگ اسامہ کی سرداری کے بارے میں طعن وطنز کر رہے ہو تو اس کے پہلے ان کے باپ کے بارے میں اعتراض کر چکے ہو۔

خدا کی قسم وہ شخص اس سرداری کا اہل تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا (اسامہ) اس کی اہلیت رکھتا ہے۔

جب کہ رسول اکرمؐ اسامہ کی جلد روانگی پر مصر تھے لیکن لوگ ٹال مٹول کرتے رہے، قبل اس کے کہ اس لشکر کی مقام جرف سے روانگی ہوئی رسولؐ وفات پا گئے اور آپ لشکر کو تبدیل کرنے والے تھے یا ارادہ رکھتے تھے۔

بعض اصحاب کا موقف حکم نبوت کی خلاف ورزی میں اس حد تک آگے بڑھ گیا تھا کہ آپ کے سامنے اس کا اظہار کرنے لگے تھے، اور وفات رسولؐ سے تھوڑا قبل اس کی مثال موجود ہے۔

محدثین، مورخین، ارباب سیر اور بخاری کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسولؐ کی احتضاری کیفیت کے وقت آپ کے بیت الشرف

(۱) الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۲، ص ۱۹۰؛ تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۴۷، بیروت؛ الکامل لابن الاثیر، ج ۲، ص ۳۱۷؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۵۳؛ السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۲۰۷؛ کنز العمال، ج ۵، ص ۳۱۲

میں بہت سارے لوگ جمع تھے جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے اس وقت رسولؐ نے کہا: لاؤ تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں تا کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔

جس کے بعد عمر نے بے ساختہ کہا: ان پر بخار کا غلبہ ہے تم لوگوں کے پاس قرآن ہے اور کتاب خدا ہمارے لئے کافی ہے۔

اہل بیت اطہارؑ نے اس نظریہ سے اختلاف کیا اور وہیں وہ افراد بھی تھے جو یہ کہہ رہے تھے کہ رسول کو وہ تحریر لکھنے دو جس کے سبب تم گمراہی سے بچ جاؤ گے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو عمر کے نظریہ کا حامی تھا، جب یہ اختلاف زیادہ بڑھا تو رسولؐ نے ناراض ہو کر فرمایا: میرے پاس سے تم لوگ چلے جاؤ۔

ابن عباس کہتے ہیں: ہائے مصیبت اور سب سے بڑی مصیبت اس وقت تھی جب لوگ اس بات پر اڑ گئے اور شور مچانے لگے کہ رسول تحریر نہ لکھیں۔(۱)

بخاری نے سعید بن مسیب اور ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے کہا: پنجشنبہ، ہائے پنجشنبہ! رسول کی طبیعت بہت ناساز تھی اس وقت آپ نے فرمایا: لاؤ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔

اس وقت رسولؐ کے حضور اختلاف پیدا ہو گیا جبکہ آپ کے حضور شور و غل مچانا بہتر نہیں تھا، اور آپ کے شان میں گستاخی کی گئی کہ آپ ہذیان بک رہے ہیں، اور لوگ اسی کے پیش نظر بدگمانی کے شکار ہو گئے۔

اس وقت رسولؐ نے فرمایا: جو میں کر رہا ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جو تم مجھ سے چاہتے ہو، اور آپ نے تین چیزوں کی وصیت کی:

---

(۱) صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۲، کتاب العلم

۱۔ مشرکین کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دو۔۲۔ جیسا میں چاہتا تھا ویسا ہی لشکر تیار کرو۔۳۔ اس کے بعد خاموش ہو گئے اور اگر کچھ فرمایا تو مجھے یاد نہیں ہے۔(۱)

نہیں معلوم، آخر رسول کو اس نوشتہ کے لکھنے سے کیوں منع کیا گیا جبکہ آپ کی کوشش یہ تھی کہ امت گمراہی سے بچ جائے اور ابن عباس نے اس دن کو عظیم مصیبت سے تعبیر کیا ہے ابن عباس اتنا گریہ کر رہے تھے کہ آپ کے آنسوؤں کے سبب زمین نم ہو جاتی تھی۔

جیسا کہ بعض کتابوں میں اس کا تفصیلی تذکرہ ہے مگر مصلحت کے پیش نظر ہم اس کو چھوڑ رہے ہیں بعد میں اس کا تذکرہ کریں گے۔

(۱) صحیح بخاری، ج۵، ص۱۳۷، باب مرض النبی ووفاتہ. اور اسی طرح کے الفاظ صحیح بخاری کی کتاب الجزیۃ باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب کی ج۴، ص۶۵ پر وارد ہوا ہے اور تیسری وصیت کے بارے میں خموشی ابن عباس کی جانب سے یا سعید کے بھول جانے کی بات. ایک موضوع ہے جس کو آنے والی بحثوں میں پیش کریں گے. مزید بخاری، جلد۸، ص۶۱، صحیح مسلم، ج۵، ص۷۵، کتاب الوصیہ، مسند احمد، ج۴، ص۳۵۶، حدیث ۲۹۹۲، پر ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

دوسری فصل

دوسری فصل

دینی مرجعیت

گذشتہ امتوں میں دین کی باگ ڈور متدین یا کاہنوں (جو علم غیبی یا اسرار الٰہی کے علم کے مدعی تھے) کے ہاتھ رہی ہے اگر ثانی الذکر کی تعبیر صحیح ہے تو، وقتی اور دنیاوی حکومت دینی حکومت سے جدا رہی ہے۔

فراعنہ (بادشاہان مصر) اس بات کے مدعی تھے کہ وہ الٰہی نسل کے چشم و چراغ ہیں جب کہ یہ ایک اعزازی اظہار لقب تھا اور حقیقت سے دور دور تک اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

بادشاہان وقت دینی امور کے ذمہ دار نہیں رہے مگر بعض معاملات میں جس کو کاہن حضرات عام طور سے مذہبی رنگ و روغن لگا کر پیش کرتے تھے، یہ کاہن افراد شہر کے دینی مرجع ہوتے تھے، بادشاہان مصر (فراعنہ) عام طور سے سیاسی امور اور آبادیوں کی دیکھ ریکھ میں حکمرانی کرتے تھے، کاہن (مسیحی روحانی رہنما) عبادت گاہوں میں اپنے دینی افکار کے تحت امور کی انجام دہی کرتے تھے، ان افراد کو دوسرے لفظوں میں معظم الامم (سربراہان قوم) کہتے ہیں۔

آسمانی ادیان کی باگ ڈور یہودی خاخاموں اور عیسائی پوپ حضرات کے ہاتھ میں تھی، سیاسی حکومت سیاست مداروں کے ہاتھ تھی جو شہریوں کی امداد اور دیکھ بھال کر رہے تھے اگر چہ ان کی

گرفت مختلف قبیلوں پر تھی لیکن اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ وہ متدین و روحانی رہنما کی باتوں کو سنتے ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، اور دین سے متعلق امور میں ان افراد کو مکمل اختیار دے رکھا تھا، ان لوگوں کے درمیان وہ افراد بھی تھے جو مملکت کے استحکام اور عصری سیاست کی تمرین سے دور تھے۔

جب پیغمبرؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت کی تو وہاں اپنی حکومت کے مراکز اور نائبین کا تعین فرمایا، اس وقت رسولؐ دینی اور دنیوی دونوں حکومت کے زمامدار تھے اور امور شریعت کے تنہا سرتاج و مرشد، احکام شریعت کے مبیّن و مفسّر اور سنت کے بانی تھے۔

آپ نے فرمایا: "صلوا کما رأیتمونی اصلی" جیسے میں نماز پڑھتا ہوں اسی طرح نماز پڑھو۔

آپ ایک ہی وقت میں سیاسی رہنما تھے جس کے ذریعہ سے بنیاد حکومت استوار ہو سکتی تھی جیسا کہ ہجرت کے شروع ہی میں آپ نے پروگرام مرتب کر دیا تھا اور مسلمان اور یہود کے سامنے پیش کیا تھا۔

دوسرے رخ سے آپ سپہ سالار لشکر تھے کیونکہ آپ نے بڑے بڑے معرکوں میں لشکر کی سرداری کے فرائض کو انجام دیا ہے بلکہ سرایہ (جس جنگ میں آپ نے شرکت نہیں کی) میں بعض اصحاب کو حسب ضرورت اپنا نائب مقرر کیا ہے۔

گویا پیغمبرؐ ہر رخ سے قائد و رہبر تھے اور ایک ہی وقت میں دوہری حکومتوں کے زمام دار تھے۔

پیغمبرؐ کی حسن تدبیر سے مسلمانوں نے یہ بخوبی جان لیا تھا کہ یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور رسولؐ کے بعد جو بھی ان کا خلیفہ ہوگا اس کی اقتدا واجب ہے۔

خلیفہ مراد وہ امام ہے کہ جس کی اطاعت واجب ہے، اور حفاظت شریعت جو حکم خدا اور سنت نبوی کے تحت ہے اس میں وہ قابل اعتماد ہے۔

اور حکومت اسلامی کے سیاسی، اقتصادی اور عسکری امور کی وہ سربراہی کرتا ہے لہٰذا دین اسلام سیاست عامہ اور حکومت اسلامی سے جدا نہیں ہے جو بھی رسول کا خلیفہ ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسی راہ پر گامزن ہو۔

اور ظاہری بات ہے کہ امت کے تمام افراد میں اس عظیم ذمہ داری کے لئے حسب ضرورت شرطیں نہیں پائی جاتیں لہٰذا ضروری ہے کہ کسی ایک فرد میں جو کہ خلیفہ کے عہدے پر فائز ہو تمام صفات حمیدہ اور کمالا حسنہ پائے جاتے ہوں تا کہ امور کی انجام دہی، شریعت کی حفاظت، اور حکومت کی پشت پناہی، ان تمام خطرات سے کر سکے جس کا امکان کسی بھی رخ سے پایا جاتا ہے۔

اگر عصری تقاضوں کے تحت بعض دنیوی حکومت میں تبدیلی اور اجتہاد کا امکان پایا جائے تو دوسرے رخ سے مسائل شرعیہ میں اس طرح کا اجتہاد جو توہین اور ہتکی کی جانب لے جائے اور ایک کے بعد دوسرے میں مداخلت کی سبب بنے، بالکل روا نہیں ہے۔

جب دینی مرجعیت ایسی آندھیوں کے سامنے آجائے گی تو آنے والے دنوں میں کوئی اس پر بھروسہ نہیں کرے گا اور شریعت میں تحریف کا ایسا رخنہ پیدا ہو جائے گا جو پُر نہیں ہو سکتا، نیز آنے والے دنوں میں شریعت پر بہت بڑا دھچکا لگے گا، اور حقیقت کی تشخیص وتعیین میں بہت سے لوگ پھسل جائیں گے، لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ دینی مرجعیت کے شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ جو اس مرجعیت کو ان انجانے خطرات سے نہ بچا سکے وہ بالکل اس عہدے کا اہل نہیں ہو سکتا۔

انھیں کے پیش نظر ہم کو اس بات کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ پیغمبرؐ نے اس (خلافت) کے حدود وخطوط معین فرما دیئے تھے، اور عہدہ داروں کی شرطوں کو بیان کر دیا تھا، اور فرد، یا افراد کی تعیین اپنے سامنے کر دی تھی، یا یہ عظیم ذمہ داری امت کے کندھوں پر ڈال دی تھی تا کہ جس کو چاہیں معین کر لیں اور اصلح (نیک) کو مصلحت وتقاضوں کے تحت اس دینی مرجعیت کے لئے چن لیں؟

رہبری کے عمومی شرائط

شریعت کی حفاظت کے لئے دینی رہبری کی اہمیت بیان کرنے کے بعد ضروری ہے کہ رہبری کے شرائط بھی پیش کردیئے جائیں اور جو شخص اس کا مدعی ہے اس کے لئے لازم ہے کہ ان شرائط کا حامل ہو، اور اس کی تعیین کے لئے نص یا نصوص نبوی کی تلاش ضروری ہے تا کہ اس مسئلہ پر کسی قسم کا اختلاف یا تشتت نہ ہو جس کے سبب امت کے نظریات ٹکڑوں میں بٹ جائیں اور ایسا رخنہ پیدا ہو کہ جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

اہلبیت، عمومی مرجعیت کی برترین شرط ہے

جب ہم اسلام کی تاریخ وسیر کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو وہ نصوص ملتی ہیں کہ جن میں اس شخص کی جانب رسولؐ نے اشارہ کیا ہے جس میں یہ تمام شرطیں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔

محدثین نے لکھا ہے کہ رسولؐ جب آخری حج سے واپس ہو رہے تھے تو جحفہ نامی جگہ جس کو غدیر خم بھی کہتے ہیں اجلال نزول فرمایا اور وہاں موجود بڑے بڑے درختوں کے نیچے سے خس و خاشاک جمع کرنے کا حکم دیا تو لوگوں نے اس پر عمل کیا پھر آپ کے لئے اونٹوں کے کجاوے کا منبر بنایا گیا آپ اس پر تشریف لے گئے تا کہ سب لوگ آپ کو صحیح طریقہ سے دیکھ سکیں، اس وقت آپؐ نے فرمایا:

''مجھے (خدا کی جانب) طلب کیا گیا ہے میں نے قبول کیا ہے میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں اس میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے۔

کتاب خدا اور میری عترت دیکھو تم لوگ ان دونوں میں میری کیسی اطاعت کرتے ہو یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں گے''

بعض روایات میں ایک خاص جملہ کا اضافہ ہے (جب تک ان سے متمسک رہو گے گمراہ نہ

ہو گے)۔(۱)

ابن حجر ہیثمی مکی نے اس روایت (حدیث ثقلین) کو متعدد طریقوں سے روایت کرنے کے بعد کہا ہے، کہ حدیث تمسک ، متعدد طریقوں سے بیس سے زیادہ صحابیوں نے روایت کی ہے بعض طرُق میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع پر، مقام عرفہ میں آنحضرت نے ارشاد فرمائی ہے، بعض کے مطابق مدینہ میں جب رسول اکرمؐ احتضاری کیفیت میں تھے اور آپ کا حجرہ مبارک اصحاب سے بھرا ہوا تھا، بعض طرُق نے غدیر خم کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ جب آپ طائف سے واپس آ رہے تھے۔

ان متعدد طریقوں سے اس حدیث کا نقل ہونا کوئی منافات نہیں رکھتا اور کوئی مشکل بھی نہیں ہے کہ آپ نے متعدد مقامات پر قرآن واہلبیت کی عظمت کے پیش نظر حدیث کی تکرار فرمائی ہو۔(۲)

نصوص حدیث اور ابن حجر کے تعلقیہ سے ہم اس بات کا نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے اپنے بعد ان افراد کی نشان دہی فرمادی ہے جو آپ کے بعد دینی مرجعیت کی منھ بولتی تصویر ہیں۔

اور اہل بیت وعترت طاہرہ کی مرجعیت کی نص یہی حدیث ہے آپ نے اہل بیت کو قرآن کے ہم پلہ قرار دیا ہے، قرآن شریعت کا پہلا مرکز ہے اور ثقل اکبر ہے اور اہلبیت رسولؐ دوسرے مرکز ہیں اور ثقل اصغر ہیں۔

---

(۱) المستدرک، ج ۳، ص ۱۰۹، ۵۳۳؛ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۱۸۱، ۱۸۹؛ جامع ترمذی، ج ۲، ص ۳۰۸، حدیث ۳۷۸۷؛ خصائص امیر المومنین للنسائی، ص ۲۱؛ کنز العمال، ج ۱، ص ۴۴، ۴۷، ۴۸؛ صحیح مسلم، باب فضائل علی؛ سنن الدارمی، ج ۲، ص ۴۳۱؛ صواعق محرقہ، ص ۸۹؛ الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲؛ فیض القدیر للمناوی، ج ۳، ص ۱۴؛ حلیۃ الاولیاء ج ۱، ص ۳۵۵، حدیث ۶۴؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۶۳، ۱۶۴

(۲) صواعق محرقہ، ص ۲۳۱۔۱۳۰

اہلبیت کی جانب اشاروں کی تکرار اور متعدد مقامات و مناسبتوں پر اس کو دہرانا اس امر کی عظمت واہمیت کے باعث ہے، درحقیقت ایک طرح کی فرصت تھی ان افراد کے لئے جو اس کو سن نہیں سکے ہیں اور جو سن چکے ہیں ان کی یاددہانی کے لئے ہے۔

رسولؐ نے اہلبیت کے حوالہ سے صرف اسی نص پر اکتفا نہیں کی بلکہ مسئلہ کی اور وضاحت فرمادی، جیسا کہ محدثین نے نقل کیا ہے کہ ابوذر غفاری نے در کعبہ کو پکڑ کر کہا: اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں جانتا ہے وہ جان لے کہ میں ابوذر ہوں، میں نے رسول اکرم کو فرماتے سنا ہے، کہ میرے اہلبیت کی مثال سفینۂ نوح کی سی ہے جو اس میں سوار ہو گیا، نجات یافتہ ہو گیا، اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ ہلاک ہو گیا۔(۱)

دوسری روایت ابن عباس وغیرہ سے ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: آسمان کے ستارے زمین پر بسنے والوں کے لئے سبب امان ہیں تاکہ لوگ غرق ہونے سے بچ جائیں، (دوران سفر سمندروں میں ستاروں کے ذریعہ راہوں کی تعیین کی جانب اشارہ ہے) میرے اہلبیت میری امت کے لئے سبب امان ہیں، تاکہ آپسی اختلافات سے بچے رہیں، اگر عرب کے قبیلوں میں سے کسی گروہ نے ان (اہلبیت) سے اختلاف کیا تو وہ شیطانی گروہ ہوگا۔(۲)

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیشابوری، ج۲، ص۳۴۳؛ کنز العمال، ج۶، ص۲۱۶؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۶۸؛ حلیۃ الاولیاء، ج۴، ص۳۰۶؛ تاریخ بغداد، ج۱۲، ص۱۹، ذخائر العقبیٰ، ص۲۰؛ کنوز الحقائق، ۱۳۲؛ فیض القدیر، للمناوی، ج۴، ص۳۵۶؛ صواعق محرقہ، ص۳۵۲، بعض روایات میں آیا ہے کہ، یہ (اہلبیت) باب حطہ کی مانند ہیں جو اس میں داخل ہوا امان پا گیا اور جو اس سے نکل گیا وہ کافر ہو گیا۔

(۲) المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۴۹۔۱۴۸؛ کنز العمال، ج۶، ص۱۶؛ صواعق محرقہ، ص۳۵۳؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۷۴؛ فیض القدیر للمناوی، ج۶، ص۲۹۷؛ ذخائر العقبیٰ للمحب الطبری، ص۱۷،

رسول اکرمؐ نے اپنے دوسرے فرمان میں ثقلین کی اور صراحت فرما دی ہے:

''ان دونوں پر سبقت نہ لے جانا ان دونوں سے پیچھے نہ رہ جانا، ورنہ ہلاکت مقدر بن جائے گی اور کبھی ان کو کچھ سکھانے کی کوشش نہ کرنا، اس لئے کہ یہ تم سے اعلم ہیں۔(۱)

اس بات کی جانب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں کافی تاکید کی ہے، آپ نے فرمایا:
اپنے نبی کے اہلبیت کو دیکھو اور ان کے نقش قدم پر چلو، کیونکہ وہ تم کو راہ ہدایت سے دور نہیں کریں گے، اور قعر مذلت میں گرائیں نہیں، اگر وہ گوشہ نشین ہو جائیں تو تم بھی ان کے ساتھ رہو، اگر وہ قیام کریں تو ان کے ہمرکاب رہو، ان پر سبقت نہ لے جاؤ، ورنہ بہک جاؤ گے ان سے پیچھے نہ رہو، ورنہ ہلاکت مقدر بن جائے گی۔(۲)

حضرت سید سجاد علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''کیا اس سے زیادہ کوئی بھروسہ مند ہے کہ جو حجت کو پہنچائے، حکم (خدا) کی تاویل پیش کرے، مگر وہ افراد جو کتاب (قرآن) کے ہم پلہ ہیں اور ائمہ ہدیٰ کے روشن چراغوں کی ذریت میں سے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے بندوں پر حجت تمام کی اور لوگوں کو بغیر کسی حجت کے حیران و سرگردان نہیں چھوڑ دیا، کیا تم لوگ شجرۂ مبارکہ کی شاخوں کے علاوہ کسی کو جانتے ہو یا کسی اور کو پا سکو گے اور یہ ان برگزیدہ بندوں کی یادگاریں ہیں، جن سے خدا نے رجس کو دور رکھا ہے اور ان کی طہارت کا اعلان کیا ہے اور تمام آفات ارضی و بلیات سماوی سے محفوظ رکھا ہے اور قرآن میں ان کی محبت و مودّت کو واجب قرار دیا ہے۔(۳)

(۱) صواعق محرقہ، ص۲۳۰
(۲) نہج البلاغہ، خطبہ۲
(۳) صواعق محرقہ، ص۲۲۳

گذشتہ باتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بلاشک وتردید رسولؐ نے اپنی امت کے لئے ان افراد کا اعلان وتعین فرمادیا ہے جن کی جانب ہر امر میں رجوع کرنا ہے اور وہ والا صفات اہلبیت کی ذوات مقدسہ ہیں اور اس بات کی تاکید ہے کہ قرآن کے ساتھ ساتھ ان کے دامن سے متمسک رہو، بلکہ ان سے روگردانی کرنے کی صورت میں ڈرایا بھی ہے اور ان کی مخالفت اور دوری میں ہلاکت وگمراہی بتایا ہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ دینی مرجعیت کے مرکزیت کو رسولؐ نے اہلبیت میں کیوں محدود کردیا؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ رسولؐ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتے، گویا رسول کا یہ عمل حکم خداوندی کے تحت تھا اور اللہ نے اہلبیت کو ان مراتب سے نوازا اور اس عظیم امر کی اہلیت بخشی ہے!

جیسا کہ قرآن میں اسی بات کا اعلان بھی ہے: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾۔(۱)

اے اہل بیت! اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم اہل بیت سے رجس کو دور رکھے اور ویسا پاک رکھے جیسا پاک رکھنے کا حق ہے۔

اللہ نے ان کی طہارت کو ثابت کیا ہے اور وہ عیوب جن سے بڑے بڑے لوگ نہیں بچ پاتے ان سے ان کو دور رکھا ہے ان کی طہارت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ گناہ، عیوب، پستی، جن میں سے جھوٹ اور خدا کی جانب افترا پردازی اور ان باتوں کا ادعا کرنا جو خدا کے لئے مناسب نہیں ہے، ان سب سے معصوم ومحفوظ ہیں۔

اور دوسرے رخ سے نبی اکرمؐ نے دوسری صفات ان کے لئے بیان کی ہے، جیسے: احکامات

---

(۱) سورۂ احزاب، آیت ۳۳

شریعت کے سلسلہ میں امت میں سب سے اعلم ہیں اور یہ اس بات کا لازمہ ہے کہ یہ امت کے مرجع ومرکز ہیں۔

پیغمبرؐ کا اس جانب توجہ دلانا کہ ان سے ہدایت حاصل کرو ان پر سبقت نہ لے جاؤ ان سے پیچھے نہ رہو، ان کو کچھ سکھانے کی کوشش نہ کرو، یہ سب رسولؐ کا اس عظیم امر میں اہلبیت کی مدد کرنا نہیں ہے اور نہ ہی قرابت داری کے باعث اظہار محبت ہے، کیونکہ اقرباء میں تو ابولہب بھی رسولؐ کا چچا تھا مگر رسولؐ نے اس رشتہ کو کبھی نہیں سراہا۔

اہلبیت کون لوگ ہیں؟

بعض لوگوں نے اہلبیتؑ میں ان افراد کو شامل کرنا چاہا ہے جو اہلبیتؑ میں سے نہیں تھے! متعدد مقامات پر مختلف انداز میں رسولؐ نے اہلبیت کی وضاحت ونشان دہی کر دی ہے تاکہ دھوکا اور ہر طرح کا احتمال ختم ہو جائے۔

علماء حدیث نے اصحاب کے حوالہ سے بہت ساری روایتوں کا تذکرہ کیا ہے جس میں صاف صاف وضاحت ہے، انھیں میں سے ایک ام المومنین حضرت ام سلمہ کی روایت ہے، پیغمبر اسلامؐ نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا: اپنے فرزندوں اور شوہر کے ساتھ یہاں آؤ! آپ سب کے ہمراہ حاضر ہوئیں، رسولؐ نے ان سب کے اوپر فدک کی چادر ڈال دی اس کے بعد اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: خدایا! یہ آل محمد ہیں، معبودا محمد وآل محمد پر رحمات ونعمات کا نزول فرما! تو لائق تعریف وصاحب عظمت ہے۔

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے چادر کا گوشہ ہٹایا تا کہ میں بھی اس کے اندر داخل ہو جاؤں رسولؐ نے اس کو میرے ہاتھ سے لے لی اور فرمایا: ''تم خیر پر ہو'' (۱)

....

(۱) مسند احمد، ج۶، ص ۲۹۶، ۳۲۳؛ المستدرک، ج۳، ص ۱۰۸، ۱۴۷؛ کنز العمال، ج۷، ص۱۰۲، ۲۱۷؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص ۱۶۷

حضرت عائشہ سے روایت ہے: کہ ایک صبح رسولؐ اس حالت میں نکلے کہ آپ کے دوش پہ سیاہ رنگ کی اونی چادر پڑی ہوئی تھی، اتنے میں حسنؑ آئے آپ نے ان کو اس کے اندر داخل کرلیا پھر حسینؑ آئے تو ان کو بھی اندر داخل کرلیا پھر فاطمہؑ آئیں ان کو بھی داخل کرلیا پھر علیؑ آئے اور ان کو بھی داخل کرلیا اس کے بعد رسول نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْراً﴾ (۱)

یہ بات بالکل مسلمات میں سے ہے کہ رسول اکرمؐ نے نصاریٰ نجران سے مباہلہ کیا تھا اور یہی افراد شریک کار تھے، علماء تفسیر وحدیث نے اس بات کو متعدد اصحاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے جن میں سے سعد ابن ابی وقاص ہیں، کہتے ہیں کہ: جب آیۂ مباہلہ نازل ہوئی تو رسولؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ وحسینؑ کو بلایا اور فرمایا: "اللّٰھم ھؤلاء اھلی" خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (۲)

لوگ سوال کرتے ہیں کہ جب رسولؐ کے اہلبیت یہی ہیں تو شیعہ حضرات کیوں کہتے ہیں کہ بقیہ نو امام بھی اہلبیت رسولؐ ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسولؐ سے بہت ساری روایات نقل ہوئیں ہیں جس میں آپ نے اپنے بعد کے خلفاء کی تعیین کی ہے اور ان کی تعداد بارہ بتائی ہے، علماء حدیث، حافظین حدیث اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

....

(۱) صحیح مسلم، کتاب فضائل صحابہ باب فضائل اہلبیت نبی؛ المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۱۴۷، انھوں نے کہا کہ شیخین کی تائید کے باعث یہ حدیث صحیح ہے، سنن البیہقی، ج ۲، ص ۱۴۹؛ تفسیر طبری، ج ۲۲، ص ۵؛ فخر رازی نے بھی اس کو آیۂ مباہلہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ اس روایت کی صحت علماء تفسیر وحدیث کے نزدیک متفق علیہ ہے: جامع ترمذی، ج ۲، ص ۲۰۹، ۳۱۹؛ مسند احمد، ج ۶، ص ۳۰۶، اسد الغابہ، ج ۴، ص ۲۹

(۲) جامع ترمذی، ج ۲، ص ۱۶۶؛ المستدرک علی الصحیحین ج ۳، ص ۱۵۰؛ سنن البیہقی، ج ۷، ص ۶۳؛ اسباب النزول، ص ۷۵

جابر بن ثمرہ راوی ہیں کہ: ”میں نے رسول اکرم کو فرماتے سنا ہے کہ بارہ ہادی و امام ہوں گے“ اس کے بعد ایک جملہ کہا جس کو میں سن نہ سکا، پھر میرے والد نے بتایا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ”سب کے سب قریشی ہوں گے“ (۱)

مرجعیت کے عام شرائط اور نص

گذشتہ بحثوں میں ہم نے اہلبیت علیہم السلام کی مرجعیت اور دینی مرکزیت کی لیاقت کے سلسلہ میں دلائل پیش کئے ہیں اور ان کی حمایت و لیاقت پر متعدد شواہد و دلائل بھی پیش کئے جس میں آیات الٰہیہ اور فرمان رسولؐ شامل تھا، اور ہم نے یہ بات بھی عرض کی تھی کہ اسلام کی قیادت اور سیاست کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے دونوں ایک دوسرے کے اٹوٹ حصے ہیں، اور نبی اکرمؐ نے اس سلسلہ میں اقدام بھی کیا خاص طور سے ہجرت کے بعد مسلمانوں نے دو حکومتوں کے سنگم کو بخوا احسن درک بھی کیا، گویا رسولؐ کی جانب سے دینی مرجعیت و مرکزیت پر نص موجود ہے لہٰذا سیاسی مرکزیت کے لئے بھی کسی کا وجود ضروری ہے، انھیں ضروریات کے پیش نظر رسولؐ نے اپنے بعد کے وصی کا تعین فرمایا اور ان افراد نے احکام الٰہیہ کا اجراء بھی کیا جس طرح سے نبیؐ نے خبر دی تھی اور افراد کا تعین بھی فرمایا تھا، ثبوت میں کچھ واقعات پیش کریں گے:

اگر ہم حیات نبوی کا بغور مطالعہ کریں گے تو یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ رسول اکرمؐ نے ابتدائے بعثت میں ہی اس جانب خاص عنایت رکھی ہے اور اس قائد کی تعیین کا اہتمام کیا ہے جو ان کے بعد امت رسولؐ کے امور کی پاسبانی میں ان کا خلیفہ ہوگا، اور خداوند تعالیٰ کی بھی عنایت رہی ہے کہ اس نے نبیؐ کی کفالت میں تربیت کے مسئلہ کو بھی حل کر دیا اور وہ بھی اعلان رسالت سے قبل۔

---

(۱) صحیح بخاری، ج ۹، ص ۱۰۱، کتاب الاحکام باب الاستخلاف؛ سنن ترمذی، ج ۴، ص ۵۰۱؛ سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۱۰۶؛ المعجم الکبیر، ج ۲، ۱۹۶؛ بعض نسخوں میں خلیفہ، رجل، قیم، کا لفظ آیا ہے۔

ابن اسحٰق، ابن ہشام کی نقل کے مطابق اس واقعہ کی یوں منظر کشی کرتا ہے: علی ابن ابی طالبؑ پر خدا کی خاص عنایت یہ تھی کہ جس وقت قریش سخت قحط سالی سے دوچار تھے اور حضرت ابوطالب کثیر العیال تھے، تو رسول اکرمؐ نے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب، جو کہ اس وقت کے متمول افراد میں شمار ہوتے تھے، ان سے کہا کہ لوگ اس وقت قحط سالی کے شکار ہیں اور آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں لہٰذا ہم لوگ چل کر بات کرتے ہیں تا کہ ان کے اہل وعیال کے بوجھ اور خرچ کو ہلکا کرسکیں، ان کے فرزندوں میں سے ایک ہم لے لیتے ہیں اور ایک کو آپ، اور ہم دونوں ان کی کفالت کریں گے، جناب عباس نے حامی بھر لی! دونوں افراد حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور دونوں نے ایک زبان ہوکر کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے عیال کا بوجھ ہلکا کردیں، تا کہ لوگوں میں جو بات (آپ کے کثیر العیالی اور مشکلات کی) پھیلی ہے وہ ختم ہو جائے۔

حضرت ابوطالبؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو بقیہ جو فیصلہ کرنا چاہو تم لوگوں کو اختیار ہے۔

رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو لیا اور سینہ سے لگالیا، حضرت علیؑ بھی سایہ کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ آپ مبعوث بہ رسالت ہوئے اس وقت حضرت علیؑ نے آپ کی اتباع کی، آپ پر ایمان لائے اور آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور جعفر جناب عباس کے پاس ان کے اسلام لانے تک رہے یہاں تک کہ غربت کے دن دور ہو گئے۔(۱)

پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ کے سابق الاسلام اور سابق الایمان ہونے پر متعدد بار اشارہ کیا ہے آپ نے آنے والے دنوں کے ضمن میں یہ اشارہ کیا تھا، جیسا کہ سلمان رضی اللہ عنہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) السیرۃ النبویہ ابن ہشام، ج۱، ص۲۳۶؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۵۲۶؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۳، ص۱۹۸؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۳۱۳

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ (علی) وہ ہیں جو سب سے پہلے ہم پر ایمان لائے اور روز قیامت سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے، یہ صدیق اکبر، اس امت کے فاروق اعظم (جو کہ حق و باطل کے درمیان فرق کریں گے) اور مومنین کے یعسوب (سربراہ) ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے بھی تربیت نبوی اور کفالت رسالت کی جانب اشارہ کیا ہے جب آپؑ کی شخصیت میں نکھار آرہا تھا اور عضلات بدن نمو پارہے تھے۔

آپؑ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

میں نے تو بچپن ہی میں عرب کا سینہ پیوند زمین کردیا تھا اور قبیلہ ربیعہ اور مضر کے ابھرے ہوئے سینگوں کو توڑ دیا تھا تم جانتے ہی ہو کہ رسولؐ سے قرابت داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے ان کے نزدیک میرا کیا مقام تھا میں بچہ ہی تھا کہ رسول اللہؐ نے مجھے گود لے لیا تھا، اپنے سینے سے لگائے رکھتے تھے، بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے اپنے جسم مبارک کو ہم سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے، پہلے آپ کسی چیز کو چباتے پھر اس کو لقمہ بنا کر میرے منہ میں ڈالتے تھے، انھوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا اور نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی، اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ہمراہ کردیا تھا، جو انھیں شب و روز عظیم خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں پر لے چلتا تھا اور میں ان کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔

آپ ہر روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔

اور ہر سال کوہ حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے اور وہاں میرے علاوہ کوئی انھیں نہیں دیکھتا تھا اس وقت رسول اللہؐ اور (ام المومنین) خدیجہ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا البتہ تیسرا ان میں سے میں تھا، میں وحی رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔

جب آپ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی، جس پر میں نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ! یہ چیخ کیسی تھی؟

آپ نے فرمایا: یہ شیطان ہے جو اپنی پرستش سے مایوس ہوگیا ہے، اے علی! جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو، فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وصی و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو۔(۱)

خلیفہ کی تعیین اور احادیث نبوی

اسلامی فرقوں کے درمیان خلافت کے مسئلہ پر بہت مباحثہ و مجادلہ ہوا ہے، خاص طور سے اس نظریہ کے قائل افراد جو یہ کہتے ہیں کہ رسول کے بعد امامت و خلافت کے حوالے سے رسول کی کوئی نص موجود نہیں ہے اور اس رخنہ کو پر کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے یہ اختیار امت کے ہاتھوں چھوڑ دیا تھا اور شیعہ حضرات جو اس بات کے معتقد ہیں کہ نص نبوی موجود ہے اور رسول اکرمؐ نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو امت کا ہادی و رہنما اور امام قرار دیا تھا، دونوں فرقوں کے درمیان بڑے ہی نظریاتی ردو بدل ہوئے ہیں۔

اگر ہم حیات نبوی کا جائزہ لیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ نبی اکرمؐ نے امامت و خلافت کے مسئلہ کو بہت اہمیت دی ہے یہاں تک کہ معمولی مقامات پر بھی اس کی اہمیت تھی بلکہ دو سفر کرنے والوں سے آپ مطالبہ کرتے کہ تم میں ایک دوسرے کا حاکم بن جائے۔

آپ جب کبھی کسی جنگ یا سفر کے سبب مدینے کو ترک فرماتے تو کسی نہ کسی کو اس کا ذمہ دار بہ نفس نفیس معین فرماتے تھے اور لوگوں کو کبھی اس بات کا حق نہیں دیتے تھے کہ وہ جس کو چاہیں چن لیں!

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۱۹۷، خطبہ ۱۹۰، ترجمہ مفتی جعفر صاحب قبلہ

تو جب نبی کریمؐ اپنی حیات میں تعیین خلیفہ کے سلسلہ میں اتنا حساس تھے تو کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ اپنے بعد کے عظیم مسئلہ یعنی امت کی رہبری کو ایسے ہی چھوڑ کر چلے جائیں گے!

اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس بات کی جانب متوجہ ہوئی چنانچہ ابوبکر نے عمر کو معین کیا تھا اور امت کو اس بات کا بالکل حق نہیں دیا تھا کہ وہ اپنا رہبر چن لیں۔

اور خود عمر بن الخطاب اس بات کے راوی ہیں کہ اگر سالم مولیٰ ابی حذیفہ یا ابوعبیدہ بن الجراح دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہوتا، تو کسی ایک کو منتخب کرتا اور بغیر کسی شک و تردید کے اس کو خلیفہ بناتا، انھوں نے تو امت سے مطلق طور پر اس اختیار کو سلب کر لیا تھا اور چھ لوگوں کی ایک شوریٰ (کمیٹی) معین کر دی تھی کہ اس میں کسی ایک کو میرے بعد خلیفہ کے طور پر منتخب کرلو۔

ان سب باتوں کے پیش نظر جب اصحاب کرام خلافت کی اہمیت کو درک کر رہے تھے تو رسولؐ کیونکر غافل رہ جاتے اور اس کی اہمیت کو درک نہ کر پاتے جب کہ آپ عقل کل اور امت و رسالت کے مصالح کو بہتر درک کرتے تھے، لہٰذا جب ہم سیرۂ نبوی کو دیکھیں گے تو ہم کو اس بات کا علم ہوگا کہ رسولؐ کی بے پناہ حدیثیں موجود ہیں جو اس بات کی غماز ہیں کہ آپ نے اس عظیم مسئلہ کے حل میں بالکل تساہلی سے کام نہیں لیا جس سے امت مسلمہ کا مستقبل وابستہ تھا، آپ نے اس نورانی مرکزیت و مرجعیت کے خدوخال بتا دیئے تھے اور اس کی حد بندی بھی فرمادی تھی! اور یہ کام تو آپ نے ابتدائے اسلام ہی میں کر ڈالا تھا اہل سنت کے منابع میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ ﴿وَ أَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعثت رسالت کا تیسرا سال تھا، رسولؐ نے علیؑ کو طلب کیا اور فرمایا: اے علی! خدا نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنے اقرباء کو (عذاب الٰہی سے) ڈرائیں، میں سوچ رہا ہوں کہ اس کام کو کیسے شروع کروں، میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں اسی لئے میں نے خموشی اختیار کرلی، یہاں تک جبرئیل آئے اور کہا کہ "اے محمدؐ! اگر تم نے حکم خدا پر عمل نہیں کیا

تو تمہارا خدا تم سے ناراض ہو جائے گا'' لہٰذا علی تم ایک صاع (ایک قسم کا ناپ اور پیمانہ ہے) کھانا اور ایک بکری کی ران بناؤ اور ایک برتن میں دودھ بھر دو، اس کے بعد عبد المطلب کے فرزندوں کو دعوت دو تا کہ میں ان سے کچھ بات کر سکوں اور جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کو پہنچا سکوں۔

(امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ) میں نے حکم رسولؐ کے مطابق لوگوں کو دعوت دیدی اس دن تقریبا چالیس لوگ جمع ہوئے جس میں آپ کے چچا حضرات ابوطالب، حمزہ، عباس، ابولہب وغیرہ شامل تھے، جب سب لوگ آ گئے تو کھانا پیش کرنے کو کہا، میں نے لا کر رکھا رسول اکرمؐ نے گوشت کا ٹکڑا اٹھایا اور چکھ کر برتن کے ایک کونے میں واپس رکھ دیا اس کے بعد کہا: ''بسم اللہ کہہ کر شروع کریں'' سارے افراد نے چھک کر کھایا اور ابھی کھانا بچا ہوا تھا، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کوئی ایک بھی ایسا نہیں بچا تھا جس کے سامنے میں نے کھانا پیش نہ کیا ہو، اس کے بعد رسول اکرمؐ نے حکم دیا: سب کو سیراب کرو! پھر میں نے شیر پیش کیا، سب نے پیا یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے، قسم ہے خدائے جلال کی کوئی ایک بھی پیاسا نہ تھا، اس کے بعد جب رسولؐ نے کچھ کہنا چاہا، ابولہب آپ پر سبقت لے گیا اور کہا: خبردار! تم لوگوں نے اس شخص کی جادوگری کو دیکھا، پورے افراد تتر بتر ہو گئے اور اس دن رسولؐ کچھ نہ کہہ سکے، دوسرے دن رسولؐ نے کہا: علی وہ شخص مجھ پر سبقت لے گیا، قبل اس کے کہ وہ میری بات سنتا اور میں افراد سے گفتگو کرتا، سب چلے گئے لہٰذا پھر تم اسی دن کی طرح کھانے کا انتظام کرو اور لوگوں کو دعوت دو۔

میں نے حسب دستور لوگوں کو پھر جمع کیا پھر مجھ کو کھانا پیش کرنے کا حکم دیا، میں نے سارا کام کل کی طرح انجام دیا، سب نے ڈٹ کر کھایا پھر سیرابی کا حکم ملا، میں نے سب کو سیراب کیا اس کے بعد رسول گویا ہوئے: اے فرزندان عبد المطلب! خدا کی قسم پورے عرب میں ایسا کوئی جوان نہیں ہے جو مجھ سے بہتر اپنی قوم کے لئے کوئی چیز لائے، میں تم لوگوں کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے ہم کو اس

بات کا حکم دیا ہے، لہٰذا کون ہے جو میری اس امر میں پشت پناہی کرے تا کہ وہ میرا وصی و خلیفہ ہو سکے۔

پوری قوم اس تجویز سے روگردانی کر گئی، تو میں نے کہا، جب کہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، آنکھیں گرد آلود ہیں، پنڈلیاں کمزور ہیں لیکن اے اللہ کے رسولؐ اس کام میں آپ کا میں پشت پناہ و حامی ہوں۔

رسولؐ نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: یہ میرے بھائی، وصی اور تمہارے درمیان میرے خلیفہ ہیں ان کے احکامات کی پیروی کرو اور ان کے فرمان پر ہمہ تن گوش رہو۔

سب لوگ وہاں سے ہنستے ہوئے اٹھے اور کہنے لگے: ابو طالب تم کو تمہارے بیٹے کی اطاعت و پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱)

یہ عبارت جو کہ ہمارے لئے آغاز بعثت کی منظر کشی کرتی ہے اور اس طرح کی صراحت و وضاحت کے باوجود بعض مورخین و مؤلفین نے اس طرح کی باتوں کو یا تو سرے سے حذف کر دیا ہے یا پھر اس میں کتر بیونت کی ہے جس میں رسولؐ نے صاف صاف علیؑ کی ولایت و وصایت کا اعلان و اظہار کیا ہے اور ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے جب کہ اس وقت موجود افراد نے ابو طالب کا مذاق اڑایا تھا اور اس بات کا طعنہ بھی دیا تھا کہ بیٹے کی اطاعت و ولایت مبارک ہو۔

پیغمبر اسلام کی دیگر احادیث

پیغمبرؐ متعدد مقامات پر اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ علی ابن ابی طالبؑ کی سربراہی مسلم

---

(۱) تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۱۹، الکامل لابن اثیر ج ۲ ص ۶۲؛ جیسا کہ بعض مورخین و تاریخ نویسوں نے بعض الفاظ کو بدل کر نقل کیا ہے جیسا ان کا کہنا ہے "یا بنی عبد المطلب، انی قد جئتکم بامر الدنیا و الآخرۃ" جیسا کہ تاریخ اسلام السیر للذہبی ص ۱۱۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۴۲۸، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۱۳ اور بعض نے یوں کہا ہے "فایکم یوازرنی علی ہذا الامر علی ان یکون اخی" المنتظم لابن جوزی ج ۲ ص ۳۶۷ اور بعض میں سے اس طرح نقل کیا ہے "علی ان یکون اخی و کذا و کذا" البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۳ ص ۵۳، تفسیر ابن کثیر تحت آیہ انذار سورہ شعراء محمد حسین ہیکل نے (حیات محمد) کی پہلی طباعت میں اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن بعد میں اس کو حذف کر دیا۔

ہو جائے، پیغمبر کے نزدیک حضرت علیؑ کا مرتبہ لوگوں کے سامنے واضح تھا جس سے مستقبل قریب میں ایک مقصد وابستہ تھا اور حضرت علیؑ کی اور آغاز ہجرت ہی میں آپ نے مسلمانوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ہم اور علیؑ بھائی بھائی ہیں۔

حفاظ نے اس بات کو نقل کیا ہے، ابن ہشام نے ابن اسحاق سے یوں نقل روایت کی ہے کہ رسولؐ نے اصحاب ومہاجرین وانصار میں مواخات (بھائی چارہ) پیدا کی! آپ نے فرمایا: راہ خدا میں بھائی چارگی پیدا کرو، (ایک دوسرے کے بھائی بنو) اس کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: (یہ میرے بھائی ہیں)، (۱)

لہٰذا رسول خداؐ جو کہ سید المرسلین، امام المتقین، رسول رب العالمین، نہ ہی ان کا کوئی نظیر تھا اور نہ ہی کوئی بدیل اور علی ابن ابی طالبؑ دونوں بھائی بھائی تھے۔

ہجرت نبوی کے نویں سال جب سرکار غزوہ تبوک کے ارادہ سے مدینہ کو ترک فرما رہے تھے تو آپ نے اپنے اہل وعیال کا خلیفہ علیؑ کو قرار دیا تھا اور ان کے پاس رہنے کا حکم دیا تھا اور مدینہ کی دیکھ بھال نبی غفار کے ایک فرد سباع بن عرفطہ کے حوالے کی تھی۔

منافقین نے امیر المومنین کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کیا کہ رسولؐ نے ان کو ان کی نااہلی کی بنا پر چھوڑ دیا ہے، جب یہ بات حضرت علیؑ کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے اسلحہ جنگ کو زیب تن کیا

---

(۱) السیرۃ النبویہ، ج۱، ص۵۰۴؛ جامع ترمذی، ج۵، ص۵۹۵، حدیث ۳۷۲۰؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۶؛ حدیث ۴۲۸۹؛ الطبقات الکبریٰ، ج۲، ص۶۰؛ سیرۃ حلبیہ ج۲، ص۲۰؛ مصابیح السنہ، ج۴، ص۱۷۳، حدیث ۴۷۶۹؛ مشکوۃ المصابیح، ج۳، ص۳۵۶، حدیث ۶۰۹ ۲؛ الریاض النضرۃ، ج۳، ص۱۱۱، ۱۶۴؛ فضائل احمد بن حنبل، ص۹۴، حدیث ۱۴۱؛ تاریخ دمشق، ج۱۲، ص۱۳۶؛ تذکرۃ الخواص، ص۲۳؛ کنز العمال، ج۱۳، ص۱۰۶، حدیث ۳۶۳۴۵؛ مسند ابی یعلی، ج۱، ص۳۴۷، حدیث ۴۴۵

اور جرف نامی مقام پر جا کر رسولؐ کی خدمت میں عرض کی، یا رسول اللہؐ منافقین کہتے ہیں کہ آپ نے ہم کو ہماری نا اہلی اور سستی کے باعث ان کے بیچ رکھ چھوڑا ہے۔

آپ نے فرمایا: وہ جھوٹے ہیں، ہم نے تم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے واپس جاؤ اور میرے اور اپنے اہل وعیال کے پاس میری خلافت کے فرائض انجام دو، اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم سے میری وہی نسبت ہے جو موسیٰ کو ہارون سے تھی بس فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، علیؑ مدینہ کی طرف واپس آگئے اور رسولؐ نے اپنا سفر جاری رکھا۔(۱)

رسولؐ نے اس طرح ہارون و موسیٰ کے تمام مراتب، وزارت، خلافت اور کسی نبی کے نہ آنے کی خبر سب واضح کر دی۔

رسول اسلامؐ کا مبلّغ

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ رسولؐ نے علیؑ کی حمایت و اختیارات کا اظہار متعدد مقامات پر کیا مگر صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ آپ نے چاہا کہ یہ بات تمام اصحاب پر عیاں ہو جائے اور سارے اصحاب میں صرف آپ کو تبلیغ خاص کے لئے منتخب کیا۔

(۱) تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۰۳؛ الکامل لابن الاثیر، ج ۲، ص ۲۷۸؛ صحیح بخاری، کتاب بدو الخلق باب مناقب علی ابن ابی طالب؛ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل علی بن ابی طالب؛ صحیح ترمذی، ج ۲، ص ۳۰۰؛ مسند الطیالسی، ج ۱، ص ۲۹؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۷، ص ۱۹۵؛ تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۳۲۴، ج ۳، ص ۲۰۲ و ج ۹، ص ۳۹۴؛ خصائص نسائی، ج ۱۳، ص ۱۵؛ المستدرک علی الصحیحین، ج ۲، ص ۳۳۷؛ مسند احمد، ج ۱، ص ۱۷۰، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۸۴، ۳۳۰، و ج ۶، ص ۳۶۹؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج ۳، قسم ۱، ص ۱۴، و ۱۵؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۸؛ کنز العمال، ج ۲، ص ۱۵۴، و ج ۵، ص ۴۰، و ج ۶، ص ۱۵۴ و ۱۵۶ و ۳۹۵ و ۴۰۵ و ج ۸، ص ۲۱۵؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱؛ الریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۹۵؛ ذخائر العقبیٰ ۱۲۰

روایات کا ایک جم غفیر ہے کہ ہجرت کے نویں سال نبی اکرمؐ نے ابوبکر کو سورۂ برائت کی پہلی دس آیتوں کو دیکر مکہ بھیجا، کہ اس کو مشرکین مکہ کے سامنے پڑھ کر سنائیں، لیکن فوراً بعد حضرت علیؑ کو ان کے پیچھے روانہ کیا اور فرمایا: ''تم جاؤ اس نوشتہ (سورہ) کو لے لو اور خود مکہ جا کر اس کو ابلاغ کرو''

حضرت علیؑ گئے اور درمیان راہ ہی ان کو جالیا اور ان سے اس نوشتہ کو طلب کیا، ابوبکر بیچ راستے ہی سے واپس آگئے اور بہت کبیدہ خاطر تھے رسولؐ کی خدمت میں آکر سوال کیا یا رسول اللہ! کیا میرے بارے میں کوئی خاص حکم نازل ہوا ہے؟

آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ ہم کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ یا میں خود اس کو پہنچاؤں یا اس شخص کو بھیجوں جو میرے اہلبیت میں سے ہے۔(۱)

میرے بعد علیؑ تمہارے ولی ہیں

روز و شب کی گردش ماہ و سال کے گزر کے ساتھ ساتھ مولائے کائنات کی شان میں احادیث کا اضافہ ہوتا رہا، خود رسول اکرم بھی اس بات کی صراحت و وضاحت کرتے رہتے تھے جس میں کسی قسم کا شک و تردد نہیں ہے اور تمام مسلمین کی ولایت کا اعلان بطور نمونہ پیش بھی کر دیا ہے۔

بریدہ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے حضرت علیؑ کو یمن کا اور خالد بن ولید کو جبل کا امیر بنا کر بھیجا، اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''اگر کسی مقام پر تم دونوں (علی و خالد بن ولید) جمع ہو جاؤ تو علی

....

(۱) خصائص نسائی، ص۲۰؛ صحیح ترمذی، ج۵، ص۲۵۷، حدیث ۳۰۹۱؛ مسند احمد، ج۳، ص۲۸۳، ج۱، ص۳، ۱۵۱، ۳۳۰؛ الریاض النضرۃ، ج۳، ص۱۱۹؛ البدایہ والنہایہ، ج۵، ص۴۴؛ حوادث ۹ ہجری؛ السنن الکبریٰ للنسائی، ج۵، ص۱۲۸، حدیث ۸۴۶۱؛ الاموال، لابی عبید، ص۲۱۵، حدیث ۴۵۷؛ تاریخ دمشق: ترجمۃ الامام علی، ص۸۹۰؛ الدر المنثور، ج۴، ص۱۲۵؛ مختصر تاریخ دمشق، ج۱۸، ص۶؛ شرح نہج البلاغہ، ج۱۲، ص۴۶، خطبہ ۲۲۳؛ المنتظم لابن الجوزی، ج۳، ص۳۷۲۔

افضل واولی ہیں'' ایک جگہ دونوں کی ملاقات ہوئی اور کثیر مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوا، حضرت علیؑ نے خمس میں سے ایک کنیز کا انتخاب کیا، خالد بن ولید نے بریدہ کو بلایا اور کہا کہ مال غنیمت کی کنیز کو لے لیا گیا ہے اس بات کی اطلاع رسول اسلامؐ کو دیدو، میں مدینہ آیا اور مسجد میں داخل ہوا رسولؐ بیت الشرف میں تھے اور اصحاب کا ازدھام آپ کے در دولت پر تھا!۔

لوگوں نے پوچھا، بریدہ کیا خبر ہے، میں نے کہا: خیر ہے! خدا نے مسلمانوں کو فتح عنایت کی لوگوں نے پوچھا اس وقت کیوں آئے ہو؟

میں نے کہا: خمس میں سے علی نے ایک کنیز لے لی ہے! میں رسول کو اس کی خبر دینے آیا ہوں، لوگوں نے کہا کہ رسول کو اس کی اطلاع ضرور دو تا کہ علی رسولؐ کی نظروں سے گر جائیں، ! رسول خداؐ اس مکالمہ کو سن رہے تھے، آپ غیظ وغضب کی حالت میں گھر سے باہر آئے اور فرمایا: ''اس قوم کو کیا ہوگیا ہے، یہ علی میں نقص نکال رہی ہے، جس نے علی میں نقص نکالا اس نے مجھ میں نقص تلاشا، جس نے علی کو چھوڑا اس نے گویا مجھے کھویا، میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں اور وہ میری طینت سے خلق ہوئے ہیں اور میں ابراہیم کی طینت سے خلق ہوا ہوں اور میں ابراہیم سے افضل ہوں، یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے، اللہ سننے اور جاننے والا ہے''

اس کے بعد فرمایا: بریدہ تم کو خبر ہے علی کا حق اس کنیز سے کہیں زیادہ تھا جو انھوں نے انتخاب کیا ہے؟ وہ میرے بعد تمہارے ولی ہیں۔

بریدہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! دست مبارک بڑھائیں تا کہ آپ کے ہاتھوں پر بیعت اسلام کی تجدید کروں، راوی کہتا ہے کہ میں بیعت اسلام کی تجدید کرنے سے پہلے

جدا نہیں ہوا۔ (۱)

رسول اکرمؐ نے اس (صحیح) حدیث میں بغیر کسی استثناء کے تمام مسلمین پر حضرت علیؑ کی ولایت مطلقہ کو ثابت کیا ہے، اس حکم کے اطلاق میں شیخین ابوبکر و عمر سب شامل ہیں کیونکہ رسولؐ نے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔

....

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی، ج ۶، ص ۲۳۲؛ تاریخ دمشق لابن عساکر، ج ۴۲، ص ۱۹۱، یہ درج ہے کہ بریدہ نے کہا کہ میں نے رسول کو اس دن سب سے زیادہ غضبناک پایا اس سے قبل کبھی بھی اس حالت میں نہیں دیکھا تھا سوائے قریظہ و نضیر کے دن کے! میری جانب دیکھا اور فرمایا: ''اے بریدہ! میرے بعد علی تمہارے ولی ہیں تم ان کو دوست رکھو کیونکہ یہ وہی کرتے ہیں جو حکم دیا جاتا ہے''

عبداللہ بن عطاء کے بقول اباحرب بن سوید بن غفلہ سے میں نے نقل کیا ہے، انھوں نے کہا کہ عبداللہ بن بریدہ نے تم سے حدیث کے کچھ حصہ کو چھپا لیا ہے۔ رسولؐ نے ان سے کہا: اے بریدہ! کیا تم نے میرے بعد منافقت سے کام لیا، مسند طیالسی، ص ۳۶۰، حدیث ۲۷۵۲۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسولؐ نے حضرت علیؑ سے کہا: ''تم میرے بعد ہر مومن کے والی و وارث ہو''

استیعاب میں ابن عبدالبر نے بعینہ روایت کو ج ۳، ص ۱۰۹۱ پر نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے سندوں میں کوئی مجہول نہیں ہے اس کی صحت اور نقل حدیث کی ثقہ میں کسی نے اعتراض نہیں کیا ہے، ابن ابی شیبہ نے المصنف میں ج ۱۲، ص ۸۰ پر عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: ''تم علی سے کیا چاہتے ہو تم علی سے کیا چاہتے ہو علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور میرے بعد ہر مومن کے مولا ہیں''

احمد نے اپنی مسند میں اس کو نقل کیا ہے۔ ج ۴، ص ۴۳۸، ج ۵، ۳۵۶ علی کو چھوڑ دو علی کو چھوڑ دو (علی کی عیب جوئی نہ کرو) علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں وہ میرے بعد ہر مومن کے مولا ہیں، جامع ترمذی، ج ۵، ص ۶۳۲؛ خصائص نسائی، ص ۱۰۹؛ مسند ابی یعلی، ج ۱، ص ۲۹۳، حدیث ۳۵۵؛ اس کے محقق نے نظریہ دیا ہے کہ اس کے راوی حضرات سب صحیح ہیں! کنز العمال، ج ۱۳، ص ۱۴۲؛ الریاض النضرۃ، ج ۳، ص ۱۲۹؛ تاریخ بغداد، ج ۴، ص ۳۳۹؛ تاریخ دمشق، ج ۴۲، ص ۱۰۲؛ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۶۰۳؛ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۶۰۸

تاج پوشی

دینی مرجعیت اور ہر زمانے کی حکومت کے درمیان جو ایک گہرا ربط تھا اس کی رسولؐ نے بڑی تاکید کی تھی اور اس بات کی کوشش کی تھی کہ امت مسلمہ اس کی مکمل حفاظت کرے، اس بات کے پیش نظر رسولؐ نے امت کے سامنے اہلبیتؑ کو پہنچوایا تھا اور یہ وہ افراد تھے جو دو عظیم، بھاری بھرکم چیزوں کی نظارت کی اہلیت رکھتے تھے ایک تو شریعت الٰہیہ کی حفاظت دوسرے اس نوجوان دور حکومت کی زمامداری جس کو نبیؐ نے حیات بخشی تھی۔

اسی بنا پر متعدد مقامات اور مناسبتوں پر رسولؐ نے اہلبیتؑ اور علیؑ کی ولایت کے مسئلہ کو بیان کیا تھا کیونکہ رسولؐ کے بعد مرکز اہلبیتؑ حضرت علیؑ ہی تھے، ۱۰ھ میں نبیؐ کے حجۃ الوداع کے موقع پر اس مسئلہ کی اور وضاحت ہوئی۔

حدیث ثقلین کے ضمن میں ہم نے یہ بات عرض کی تھی کہ رسولؐ نے فرمایا: مجھے خدا کی جانب طلب کیا گیا ہے اور میں نے اجابت کر لی ہے اور میں تم لوگوں کے درمیان دو بیش بہا چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب دوسرے میری عترت، لطیف و باخبر خدا نے ہم کو اس بات کی خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات کریں گے لہٰذا دیکھو تم لوگ ان دونوں کے سلسلہ میں میری خلافت کا کس حد تک خیال رکھتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا: خدائے عزوجل میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا مولا ہوں اس کے بعد حضرت علیؑ کے دست مبارک کو پکڑ کر فرمایا: ''جس جس کا میں مولا ہوں یہ (علی) اس کے مولا ہیں، خدایا! تو اس کو دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے، تو اس کو دشمن شمار کر جو اس کو دشمن سمجھے'' (۱)

---

(۱) حافظ نے بدایہ والنہایہ کی ج ۵، ص ۲۱۴ پر ذہبی سے اس کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صدر حدیث متواتر ہے اور یقین ہے کہ رسولؐ نے فرمایا ہے لیکن (اللّھم وال من والاہ) سند کے حساب سے زیادہ قوی ہے۔۔۔

اس کے بعد رسول کھڑے ہوئے اور اپنے ''سحاب'' نامی عمامہ کے ذریعہ حضرت علیؑ کی تاج پوشی کی اور ان سے کہا: ''اے علی عمامے عرب کے تاج ہیں''

مرجعیت کے لئے حضرت علیؑ کی اہلیت

رسولؐ کا اپنے بعد پوری ملت مسلمہ کا حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو مرجعیت کی ذمہ داری سونپنا، نہ ہی بلا سبب تھا اور نہ ابن العم (چچازاد بھائی) ہونے کے ناطے تھا، نہ یہ پہلو دخیل تھا کہ یہ رسولؐ کے داماد ہیں کیونکہ رسولؐ کسی فعل کو انجام نہیں دیتے تھے اور نہ ہی کوئی کلام کرتے تھے جب تک وحی پروردگار کا نزول نہ ہو جائے ہر امر میں حکم خدا کے تابع تھے، امور امت مسلمہ سے زیادہ ان کی نظر میں اقرباء پروری اہمیت نہیں رکھتی تھی، جس کی پائیداری اور استحکام واستقامت کے لئے ایک طویل عرصہ سے جانفشانی کی تھی جو تقریباً چوتھائی صدی پر محیط تھا اس کے لئے انھوں نے بہت سارے معرکہ حل کئے ہیں اور ناگفتہ بہ مشکلات کو جھیلا ہے تب جا کر اس حکومت میں پائیداری آئی ہے جس کے منشورات میں سے یہ تھا کہ انسانیت دنیا میں خیر وصلاح کے مسلک پر گامزن ہو جائے تاکہ آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

جب کہ نبی کریمؐ امت مسلمہ کے سلسلہ میں بہت حساس اور محتاط تھے اور اپنی حیات طیبہ ہی میں اس بات کے لئے کوشاں تھے اور بیحد فکر مند تھے تو کیا صرف یہ سوچ اور فکر ہی کافی ہوگی؟ اور اپنے بعد امت کو یوں ہی کسی دلدل میں چھوڑ دیں گے اور صراط مستقیم کی رہنمائی نہیں کریں گے جو ان کو راہ

....

---ابن جزری نے اسنی المطالب کے ص ۴۸ پر کہا ہے کہ اس رخ سے حدیث ''حسن'' ہے اور کئی ساری وجہوں سے صحیح ہے۔ امیر المومنین سے متواتر ہے اور رسولؐ سے بھی متواتر ہے، لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے ایک جم غفیر سے اس کی روایت کی ہے۔

ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ص ۱۷۷، کہا ہے کہ تیس صحابیوں نے اس کو رسولؐ سے نقل کیا ہے اور بہت سارے طرق سے یہ صحیح وحسن ہے۔

راست سے بھٹکنے سے بچا سکے اور گمراہی کی تاریکیوں سے باہر نکال سکے، نبیؐ کے بارے میں ایسا تصور کرنا بھی گناہ ہے کیونکہ قرآن کا اعلان ہے کہ: ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ﴾(۱) اس پر ہماری ہر مصیبت شاق ہوتی ہے وہ تمہارے ہدایت کے بارے میں حرص رکھتا ہے اور مومنین کے حال پر شفیق و مہربان ہے۔

ایسی صورت میں رسولؐ کا حضرت علیؑ کو منتخب کرنا یقیناً ارادۂ خداوندی کے تحت تھا، جس طرح سے خدا کا انتخاب حضرت طالوت کے بارے میں تھا کیونکہ وہ علم و جسم دونوں میں نابغۂ روزگار تھے۔

یہ بات بالکل مسلم ہے کہ خدا کا انتخاب ممتاز حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خدا بہتر جانتا ہے کہ بندوں کی قیادت کی باگ ڈور کس کے سپرد کی جائے۔

لہٰذا اب ان معروضات کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی ذات والا صفات وہ ہے جو اپنے زمانے میں سب سے زیادہ علم و شجاعت کے لحاظ سے قیادت کی اہلیت و صلاحیت رکھتی تھی، اور تاریخی حقائق اس بات پر گواہ ہیں، کیونکہ دراز مدت سے ہی نبیؐ اپنے اقوال و افعال کی شکل میں ان نعمتوں کے حامل تھے۔

علی علیہ السلام اعلم امت

اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی اور دنیوی حکومت دونوں کا مدافع ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ امور دین و شریعت کا مکمل عالم ہو اور سیاست و قیادت کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہو۔

اوراق تاریخ اس بات پر گواہ ہیں کہ رسولؐ کے بعد امت کے سب سے بڑے عالم، فیصلہ کرنے والے، اور قاضی حضرت علیؑ ہیں۔

---

(۱) سورۂ توبہ، آیت ۱۲۸

اس بات کی شہادت سب سے پہلے رسولؐ نے دی اس کے بعد اصحاب رسولؐ نے اور واقعات نے بڑھ کر اس حقیقت میں رنگ بھر دیا، محدثین نے ابن عباس اور دوسرے افراد سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: ''انا مدینة العلم و علیٌّ بابها فمن اراد المدینة فلیات بابها ''میں شہر علم ہوں علی اس کا دروازہ، جو شہر میں آنا چاہے اس کو چاہیئے کہ در سے آئے۔(۱)

دوسری جگہ فرمایا: ''انا دار الحکمة و علیٌّ بابها''(۲) میں دار حکمت ہوں اور علی اس کا دروازہ۔

بعض احادیث میں رسولؐ نے امت کی توجہات کو مبذول کرایا ہے حضرت علی کے اس علم کی جانب جو رسولؐ کے بعد مرجعیت عامہ کی اہلیت پر دلالت کرتا ہے، رسولؐ نے دونوں کے درمیان واضح طور پر ربط کو بیان کیا ہے۔

سلمان کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہر نبی کا ایک وصی رہا ہے اور آپ کا وصی کون ہے؟ آپ نے خموشی اختیار کرلی، پھر دوبارہ جب میری ملاقات ہوئی تو فرمایا: ''سلمان'' میں جلدی سے بڑھ کر آگے گیا اور عرض کی: ''لبیک یارسول اللہؐ!''

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۱۲۶؛ پر کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، تاریخ بغداد، ج ۴، ص ۳۴۸، ج ۷، ص ۱۷۲، ج ۱۱، ص ۴۸، ۴۹، خطیب نے کہا کہ قاسم نے کہا کہ میں نے یحیی بن معین سے اس روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ صحیح ہے، اسد الغابة، ج ۴، ص ۲۲، تہذیب التہذیب، ج ۶، ص ۳۲۰، ج ۷، ۳۳۷، کنز العمال ج ۶، ص ۱۵۲، فیض القدیر، ج ۳، ص ۴۶، مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۱۴، الریاض النضرة، ج ۲، ص ۱۹۳، کنوز الحقائق للمناوی، ص ۴۳، صواعق محرقہ، ص ۷۳

(۲) جامع ترمذی، ج ۲، ص ۲۹۹، حلیة الاولیاء، ج ۱، ص ۶۴، کنز العمال، ج ۶، ص ۴۰۱

آپ نے فرمایا: جانتے ہو موسیٰ کا وصی کون تھا؟

میں نے کہا: ہاں، یوشع بن نون۔

آپ نے فرمایا: کیوں؟ میں نے کہا کہ وہ اپنی امت میں سب سے اعلم تھے۔

آپ نے فرمایا: میرے وصی میرے اسرار کا مرکز، میرے بعد سب سے عظیم ہستی، میرے وعدوں کو پورا کرنے والے میرے قرضوں کو ادا کرنے والے علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ (۱)

بعض اصحاب کرام نے ان حقیقتوں کا اظہار بھی کیا ہے جو انھوں نے نبی کریمؐ سے درک کیا تھا اور براہ راست جن حقائق کا مشاہدہ کیا تھا۔

بعض لوگوں نے ابن عباس سے سوال کیا: کہ علی کون تھے تو ابن عباس نے کہا: رسول اکرمؐ کی قرابت داری کے ساتھ ساتھ علم، حکمت، شجاعت وشہامت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ (۲)

عمرو بن سعید بن عاص کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ سے پوچھا کہ، لوگ حضرت علیؑ ہی کی کیوں گاتے ہیں یعنی کیوں لوگ انھیں کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں؟ انھوں نے کہا بھتیجے! علی، علم کے غیر مفتوح بلندی کا نام ہے جو چاہو حاصل کر سکتے ہو، وہ خاندان کا سخی، اظہار اسلام میں پیش قدم، داماد رسولؐ، سنت رسولؐ سے آگاہ، میدان جنگ میں بے خوف لڑنے والا اور بخشش میں کریم ہے۔ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۱۳، اور صاحب کتاب مذکور نے کہا ہے کہ طبرانی نے اس کی روایت کی ہے۔ نبی کا سلمان سے سوال کرنے کا راز مخفی نہیں ہے کیونکہ موسیٰ کا یوشع کا وصی ہونا در اصل حضرت کے اعلم ہونے کا اظہار کرنا تھا، سیرۃ النبویہ، ابن اسحاق، ص ۸۲۵، تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ تحقیق ڈاکٹر سہیل زکار۔

(۲) الریاض النضرہ، ج ۲، ص ۱۹۴، احمد نے بھی اس کو مناقب میں نقل کیا ہے۔

(۳) تہذیب التہذیب لابن حجر، ج ۷، ص ۳۳۸

عبدالملک بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے کہا کہ اصحاب محمدؐ میں علی سے زیادہ کوئی جاننے والا تھا؟ تو انھوں نے کہا: ''لا واللہ لا اعلم'' بخدا مجھے کسی کا علم نہیں۔(۱)

خود امیرالمومنین فرمایا کرتے تھے: مجھ سے کتاب خدا (قرآن) کے بارے میں پوچھو اس میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کے نزول کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ یہ آیت رات میں اتری یا دن میں وادی میں آئی یا پہاڑ پر۔(۲)

ابن عباس سے روایت ہے کہ عمر نے کہا: ''اقضانا علیؑ'' ہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔(۳)

ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم آپس میں بات کیا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔(۴)

ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو رسولؐ کے اس قول ''علی میری امت کے بہترین

....

(۱) اسد الغابہ، ج ۶،ص ۲۲، الاستیعاب، ج ۲،ص ۴۶۲، فیض القدیر، ج ۳،ص ۴۳، الریاض النضرہ، ج ۲،ص ۱۹۴،

(۲) طبقات ابن سعد، ج ۲،ص ۱۰۲، تہذیب التہذیب، ج ۷،ص ۳۳۷، اس میں آپ نے فرمایا: پوچھو خدا کی قسم جو بھی پوچھوگے اس کا جواب دوں گا کتاب خدا کے بارے میں سوال کرو کوئی آیت نہیں اتری مگر میں بتا سکتا ہوں کہ دن میں آئی یا رات میں.....، الاصابہ، ج ۴،ص ۲۷۰، تفسیر الطبری، ج ۲۶،ص ۱۱۶، کنز العمال، ج ۱،ص ۲۲۸

(۳) صحیح البخاری، باب تفسیر قولہ تعالی ﴿ما ننسخ من آیۃ او ننسھا﴾ المستدرک، ج ۳،ص ۳۰۵، مسند احمد، ج ۵،ص ۱۱۳، حلیۃ الاولیاء، ج ۱،ص ۶۵

(۴) المستدرک علی الصحیحین، ج ۳،ص ۱۳۵، اور اس بات کے قائل ہیں کہ شیخین کے نقل کے باعث یہ حدیث صحیح ہے: طبقات ابن سعد، ج ۲، قم ص ۱۰۲، اسد الغابہ، ج ۴،ص ۲۲، نور الابصار، للشبلنجی، ۷۳،

قاضی ہیں'' کا گواہ نہ ہو۔(۱)

یہ وہ روایات تھیں جو ایک کثیر تعداد میں موجود ہیں لیکن ان کا کچھ حصہ پیش کیا ہے جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ حضرت علیؑ میں شرط اعلمیت بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی جس طرح سے ان سے پہلے جناب طالوت میں پائی جاتی تھی، حد یہ ہے کہ دشمنوں نے بھی اس فضیلت کا اعتراف کیا ہے، جب حضرت امیر کی شہادت کی خبر معاویہ کو ملی تو اس نے کہا کہ: ذهب الفقه و العلم بموت عليّ ابن ابی طالب (۲) علی کی موت درحقیقت علم وفقہ کی موت ہے۔

امت کی شجاع ترین فرد علیؑ

کوئی دو فرد بھی ایسی نہیں ہے جو علیؑ کی شہامت اور دشمن کو دھول چٹا دینے کے سلسلہ میں اختلاف رائے رکھے، اور دوستوں سے پہلے دشمنوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور یہ بات تواتر وشہرت کی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تاریخ کے عظیم افراد نے اس کو ذکر کیا ہے، آپ ہر میدان جنگ میں رسولؐ کے پرچم دار تھے۔(۳)

حضرت علیؑ اور جنگ بدر

جنگ بدر میں حضرت علیؑ کا بہت بڑا امتحان تھا، تاریخ وسیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس

....

(۱) الریاض النضرہ، ج ۲ ص ۱۹۸، الاستیعاب لابن عبدالبر، ج ۱ ص ۸، مختلف اصحاب سے مختلف الفاظ میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس بات کا دعوی کیا ہے کہ یہ حدیث (اقضانا علیؑ) کئی طرح سے عمر سے روایت کی ہے۔

(۲) الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۶۳

(۳) المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۱۱۱، وص ۴۹۹، الاستیعاب، ج ۳، ص ۱۷۳، الطبقات الکبری، ج ۳، ص ۱۵، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۶۸، تہذیب التھذیب، ج ۳، ص ۴۷۵، اسد الغابہ، ج ۴، ص ۲۰، کنز العمال، ج ۵، ص ۲۹۵، ریاض النضرہ، ج ۲، ص ۱۹۱، مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۳۲۱، سنن البیہقی، ج ۶، ص ۲۰۷۔

فیصلہ کن معرکہ میں مارے جانے والے بیشتر مشرکین آپ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔(۱)

حضرت علیؑ اور جنگ احد

جنگ احد میں مسلمانوں کی جانب سے پرچمداروں کو قتل کیا گیا اور ان پرچمداروں کو قتل کرنے والے حضرت علیؑ تھے جب حضرت علی ان کو قتل کر چکے تو نبیؐ نے مشرکین کے ایک جتھ کو دیکھا اور حضرت علیؑ کو حکم دیا: ان پر حملہ کرو! آپ نے قتل کیا بقیہ تتر بتر ہو گئے، اس کے بعد لشکر کا دوسرا ٹکڑا دکھائی دیا آپ نے ان پر حملہ کیا قتل کیا، بقیہ بھاگ کھڑے ہوئے، رسولؐ نے دوسری ٹکڑی کو دیکھا اور جناب امیر سے کہا: ''ان پر حملہ کرو'' آپ نے ان پر حملہ کیا قتل کیا اور بھگا دیا، جبرئیل نے کہا: یارسول اللہؐ یہ ہے (ایثار وفداکاری)

تو آپ نے فرمایا: میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں۔

جبرئیل نے کہا: ''اور میں آپ دونوں سے ہوں'' اس وقت لوگوں نے ایک آواز سنی، ''لافتی الا علیؑ لاسیف الا ذوالفقار'' (۲)

حضرت علیؑ اور جنگ خندق

جنگ خندق میں سلمان فارسی کے مشورہ کے تحت مسلمانوں نے خندق کھودی تھی جس کے سبب تھوڑا محفوظ تھے لیکن کچھ جگہیں کم فاصلہ کے سبب بہت ہی غیر محفوظ تھیں، رسول اسلامؐ اور

---

(۱) مغازی الواقدی، ج ۱، ص ۱۴۷، بدر میں مشرکین کے مقتولین۔ السیرۃ النبویۃ، لابن ہشام، ج ۱، ص ۷۰۸

(۲) تاریخ طبری، ج ۲، ص ۵۱۴، الکامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۱۵۴، سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۰۰، ریاض النضرۃ، ج ۳، ص ۱۳۷، المعجم الکبیر، ج ۱، ص ۲۹۷، حدیث ۹۴۱، تاریخ دمشق، ترجمہ الامام علیؑ کفایہ الطالب، الکنجی، ص ۲۲۷، باب ۶۹، عن الباقرؑ، مناقب خوارزمی، ص ۱۴۷، حدیث ۲۰۰، وقعۃ الصفین، ص ۴۷۸، شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۲۵۱، انھوں نے کہا ہے کہ اس خبر کو محدثین کی کثیر تعداد نے نقل کیا ہے اور مشہور روایات میں سے ہے۔

مسلمان وہاں پر پڑاؤ ڈالے تھے اور مشرکین ان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور جنگ کی شروعات ابھی نہیں ہوئی تھی۔

قریش کے کچھ جنگجو، من جملہ عمر بنی عامر بن لوی کا ایک بہادر شخص عمر بن عبدود ابو جہل مخزومی، ھبیرہ بن ابی وھب مخزومی، بنی کارب بن فہر کا ایک شخص ضرار بن الخطاب، شاعر ابن مرواس، نے لباس جنگ پہنا گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بنی کنانہ کے خیمہ گاہ کے پاس آئے اور کہا کہ، اے بنی کنانہ! جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، آج تم کو معلوم ہوگا کہ بہادر کون ہے؟۔

انھوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور خندق کے پاس آکر کھڑے ہو گئے جب خندق دیکھی تو کہا کہ رب کی قسم یہ تو ایک قسم کی چال ہے عربوں میں اس طرح کی چال کسی نے نہیں چلی۔

انھوں نے خندق کا ایک چکر لگایا جہاں سے خندق تنگ نظر آئی اس طرف چل پڑے اور وہاں پہونچ کر ان کے جانور رک گئے، حضرت علیؑ نے اپنے کچھ ہمراہیوں کے ساتھ ان کو جا لیا، جس جگہ وہ گھوڑوں سمیت پریشانی میں مبتلا تھے، ان کے شہسوار آگے آگے اور ان کے گھوڑے قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے۔

عمرو بن عبدود جنگ بدر میں شریک تھا اور زخمی ہو گیا تھا جس کے سبب احد میں نہیں آسکا تھا جنگ خندق میں حالات کا جائزہ لینے کے لئے باہر آیا تھا اور اپنے گھوڑے کو روک کر مبارز و مقابل کو طلب کیا، حضرت علیؑ اس کے مقابل کو نکلے اور اس سے کہا کہ عمرو تم نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب بھی کسی قریشی سے جنگ میں مڈبھیڑ ہوگی تو اس کی دو شرطوں میں ایک شرط کو ضرور قبول کروگے۔

اس نے کہا: ہاں، بالکل ایسا ہی ہے۔

آپ نے فرمایا: میں تجھ کو خدا اور رسولؐ اور راہ اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔

اس نے کہا: مجھے ان سب چیزوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا: تو میری دوسری پیشکش یہ ہے کہ تو گھوڑے سے نیچے اتر آ۔

اس نے کہا: بھتیجے ایسا کیوں؟ خدا کی قسم میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔

تو امیر المومنینؑ نے فرمایا: خدا کی قسم میں تجھ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔

عمرو کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ گھوڑے سے کود پڑا اور اس کو زخمی کر دیا اور اس کے چہرے پر کوڑے سے مارا اس کے بعد حضرت علیؑ کی جانب بڑھا، دونوں سپاہی پیدل حملوں کی ردو بدل کرنے لگے آپ نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑے ہنہناتے ہوئے سوار سمیت بھاگ کھڑے ہوئے۔(۱)

سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں اس آیت ﴿وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيظِهِم لَم يَنالُوا خَيراً وَ كَفَى اللّٰهُ المُؤمِنِينَ القِتَالَ﴾ (۲) کے ضمن میں نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے ابن مُردویہ نیز ابن عساکر نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ اس حرف کو ایسے پڑھتے تھے ﴿وَ كَفَى اللّٰهُ المُؤمِنِينَ القِتَالَ﴾ بعلی بن ابی طالب۔

ذہبی نے بھی نقل کیا ہے کہ ابن مسعود یوں پڑھا کرتے تھے ﴿وَ كَفَى اللّٰهُ المُؤمِنِينَ القِتَالَ﴾ بعلیؑ۔(۳)

عمرو بن عبدود کی شہامت کے باعث مسلمان اس کے مقابل جانے سے کترا رہے تھے، خود رسول اکرمؐ بھی حضرت علیؑ کا اس کے مقابل جانا پسند نہیں کر رہے تھے۔

ابو جعفر اسکافی نے اس واقعہ اور رسولؐ کی کیفیت کی تفصیل ابن ابی الحدید معتزلی سے کچھ یوں

(۱) السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ج ۲، ص ۲۲۴، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۵۷۳، الکامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۱۸۱

(۲) سورہ احزاب، آیت ۲۵

(۳) میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۱۷

نقل کی ہے جو اس نے تاریخ سے لیا ہے، ''رسولؐ عمرو کے مقابل علیؑ کے جانے سے احتراز کر رہے تھے آپ نے (حضرت علیؑ) کی حفظ و سلامتی کی دعا کی ہے، جب حضرت علیؑ روز خندق عمرو بن عبدود کے مقابل نکلے تو رسولؐ نے اصحاب کے جھرمٹ میں اپنے دست مبارک کو اٹھا کر یہ دعا فرمائی: ''اللّٰھم انك اخذت منی حمزة یوم احد و عبیده یوم بدر فاحفظ الیوم علیاً'' خدایا! تو نے احد میں حمزہ کو اور بدر میں عبیدہ کو مجھ سے لے لیا لہذا آج کے دن علی کی حفاظت فرما، اور یہ کیفیت اس وقت طاری ہوئی جب عمرو بن عبدود نے مبارز طلب کیا تو سارے مسلمان خاموش تماشائی بنے تھے اور علیؑ ہی آگے بڑھے تھے اور اذن جہاد طلب کیا تھا، خود رسولؐ نے اس وقت فرمایا تھا: ''علی یہ عمرو ہے'' حضرت علیؑ نے جواب دیا تھا: ''میں علی ہوں''

آپ نے علی کو قریب کیا اور آپ کے بوسے لئے اپنا عمامہ ان کے سر پر رکھا اور چند قدم آپ کے ساتھ وداع کرنے کے ارادے سے آئے، آپ پر شاق ہو رہا تھا اور آنے والے لمحات کا انتظار کر رہے تھے، آسمان کی جانب اپنے ہاتھ اور چہرے کو بلند کیئے (دعا کر رہے تھے) اور مسلمانوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

جب غبار جنگ چھٹا اور اس میں سے تکبیر کی آواز سنائی دی تو لوگوں نے جانا کہ علیؑ کے ہاتھوں عمرو قتل ہو چکا ہے، رسولؐ نے صدائے تکبیر بلند کی اور مسلمانوں نے ایک آواز ہو کر رسول کا ساتھ دیا جس کی گونج خندق کے اس پار افواج مشرکین کے کانوں سے ٹکرائی۔

اسی وجہ سے حذیفہ یمانی نے کہا ہے کہ اگر روز خندق علی کی فضیلت کو تمام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کو اپنے احاطہ میں لے لیگی۔

ابن عباس اس قول خدا کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ﴾، بعلی ابن ابی طالب!!

حضرت علیؑ خیبر میں

ساتویں ہجری میں خود رسول اکرمؐ شریک لشکر تھے اور خیبر کے قلعوں کی فتح چاہتے تھے جہاں وہ لوگ پناہ لئے ہوئے تھے آپ نے بعض اصحاب کو اس مہم کو سر کرنے کے لئے بھیجا مگر ان سے کچھ نہ بن پڑا۔

بریدہ سے روایت ہے کہ جب کبھی آپ طاقت فرسا سفر کرتے تھے تو ایک یا دو دن باہر نہیں آتے تھے اور جب رسولؐ نے یہ دشوار سفر طے کیا تو آپ باہر نہیں آئے ابوبکر نے علم رسول اٹھایا اور جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اپنے تئیں حملات کیئے اور واپس آگئے، پھر عمر نے علم رسول کو سنبھالا اور ابوبکر سے زیادہ جنگ میں شدت پیدا کرنے کی کوشش کی سرانجام فتح کے بغیر واپس آگئے۔

جب رسول کو ان حادثات کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: کل میں اس کو علم دوں گا جو مرد ہوگا اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے اور وہ قلع کو فتح کرے گا -: اس وقت علی وہاں نہیں تھے، سارے قریش اس بات کی آس لگائے بیٹھے تھے اور اس بات کے امیدوار تھے کہ اے کاش! آنے والے کل، میں ہی ہوتا۔

صبح نمودار ہوئی علی اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور اس کو خیمہ رسولؐ کے پاس بیٹھا دیا آپ کو آشوب چشم کی شکایت تھی لہذا آپ آنکھوں پر ایک معمولی قسم کے کپڑے کی پٹی باندھے ہوئے تھے۔

رسولؐ نے پوچھا: کیا ہوا تمہیں؟

آپ نے کہا: آشوب چشم۔

رسول اسلامؐ نے کہا: قریب آؤ علی قریب گئے، رسولؐ نے آنکھوں میں لعاب دہن لگایا، آنکھوں کا درد جاتا رہا، اس کے بعد علم عطا فرمایا، علیؑ اس کو لیکر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ان کے جسم پر ایک سرخ رنگ کا لباس تھا آپ گنجان نخلستان سے گذر کر خیبر تک پہنچے، ادھر

سے قلعہ کا محافظ مرحب اس حال میں نکلا کہ اس کے سر پر خود اور خود پر زرد یمنی پارچہ کا عمامہ اور عمامہ پر ایک پتھر میں سوراخ کیا ہوا انڈے کی مانند ایک اور خود، اور وہ خود بافتنگی میں رجز پڑھ رہا تھا۔

”قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السّلاح بطل مجرب“

”خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، اسلحوں سے لیس اور تجربہ کار بہادر ہوں“

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

انا الذی سمّتنی امی حیدرہ اکلیکم بالسیف کیل السندرۃ

لیث بغابات شدید قسورۃ

میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، میں تم لوگوں پر آتش ذوالفقار کی بارش کردوں گا، میں شیر بیشۂ شجاعت اور بے خوف بہادر ہوں۔

دونوں سپاہیوں میں وار کا رد و بدل ہوا اور حضرت علی اس پر حاوی ہو گئے اور ایسی کاری ضرب لگائی کہ پتھر سمیت خود کو کاٹتے ہوئے ڈاڑھ تک اتر گئی اور پھر شہر فتح ہو گیا۔

رسولؐ کے غلام ابی رافع ناقل ہیں کہ جب رسولؐ نے علی کو علم عطا فرمایا تھا تو میں ان کے ساتھ تھا جب قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعہ میں پناہ گزیں افراد باہر نکل پڑے آپ نے سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

یہودیوں میں سے ایک شخص نے ایسا وار کیا کہ علی کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر گئی آپ خیبر کے پاس تھے، بڑھ کر در کو اکھاڑ لیا اور اس کو سپر کے طور استعمال کرنا شروع کر دیا، آپ کے ہاتھوں میں ذرہ برابر لرزہ نہیں تھا جہاد جاری رکھا یہاں تک کہ فتح سے ہمکنار ہو گئے اور جنگ سے فارغ ہونے کے بعد اس کو دور پھینک دیا. میں نے اپنے کو سات افراد کے درمیان پایا کہ جن میں آٹھواں میں تھا سب نے مل کر ایڑی چوٹی کی طاقت لگادی پھر بھی اس کو ذرہ برابر ہلا نہ سکے۔ (۱)

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۱، حوادث ۷ھ، جنگ خیبر، الکامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۲۱۹، سیرۂ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۳۴

محدثین نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے، خود حاکم نے حضرت امیرؑ سے روایت کی ہے، آپ نے ابی لیلیٰ سے فرمایا: اے ابی لیلیٰ کیا تم ہمارے ساتھ خیبر میں نہیں تھے؟

انھوں نے کہا: کیوں نہیں!

آپؑ نے فرمایا: جب رسولؐ نے ابوبکر کو خیبر میں بھیجا تو وہ لوگوں کے ساتھ گئے حملہ کیا لیکن (فتح کے بغیر) واپس آ گئے۔

آپ ہی سے دوسری روایت ہے کہ: رسولؐ نے خیبر میں عمر کو بھیجا وہ لوگوں کے ہمراہ شہر یا قلعہ خیبر تک گئے جنگ کی، لیکن ان سے جب کچھ نہ بن پڑا تو اپنے اصحاب کے ہمراہ اس حال میں لوٹے کہ اصحاب ان کی، اور وہ اصحاب کی مذمت کر رہے تھے۔ (۱)

حضرت علیؑ اور جنگ حنین

جنگ حنین میں مسلمان اپنی کثرت پر بہت مغرور تھے جب رسولؐ نے شہر چھوڑا اس وقت آپ کے ہمراہ دس ہزار فوجی تھے جو فتح مکہ میں شریک کار تھے اور فتح مکہ کے نومسلم دو ہزار افراد بھی شانہ بشانہ تھے۔

جب ہوازن اور ان کے حلیفوں نے شدت کا حملہ کیا تو اس وقت مسلمانوں کی کثرت کے باوجود ان کی کافی تعداد نے میدان خالی کر دیا۔

اس وقت رسولؐ اپنے اقرباء اور قبیلہ میں سے نو افراد کے ہمراہ میدان میں ڈٹے رہے بقیہ سارے مسلمانوں نے بھاگنے کو ترجیح دی۔

یہ نو افراد رسولؐ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے، عباس، رسول کے خچر کو سنبھالے ہوئے

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۳۷، کتاب المغازی ذہبی نے تلخیص میں اس صحت کی موافقت کی ہے۔

تھے اور علی تلوار سونتے ہوئے کھڑے تھے، بقیہ افراد خچر کے آس پاس جمع تھے اور مہاجرین وانصار کا کہیں اتہ پتہ تک نہیں تھا۔(۱)

انس راوی ہیں کہ روز حنین عباس بن عبد المطلب، ابوسفیان بن حارث یعنی رسولؐ کے چچازاد بھائی کے سوا سارے لوگ رسول کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، رسولؐ نے حکم دیا کہ منادی ندا دے کہ اے اصحاب سورۂ بقرہ! اے گروہ انصار! یہ آواز بنی حرث بن خزرج میں گونج رہی تھی جب انھوں نے سنی تو پلٹ آئے خدا کی قسم ان کی آوازیں ایسی تھیں، جیسے اونٹنی اپنے بچے کو تلاش کرتی ہے، جب وہ لوگ اکٹھے ہوئے تو آتش جنگ بھڑک اٹھی اور رسولؐ نے فرمایا: اب تنور (جنگ) گرم ہو گیا ہے۔

آپ نے سفید کنکریاں اٹھائیں اور ان کو پھینک دیا اور کہا: رب کعبہ کی قسم دشمن شکست کھا گئے۔

اس دن علی ابن ابی طالبؑ سب سے زیادہ دلیرانہ حملہ کر رہے تھے۔(۲)

یہ سارے واقعات اس بات کے غماز ہیں کہ علیؑ کی ہی وہ ذات ہے جو میدان جنگ میں سب سے آگے آگے رہتی تھی اور انہی کی ذات اس بات کی لیاقت رکھتی ہے جو سخت و مشکل لحات میں امت کی رہبری کر سکے، جس طرح طالوت نے اپنی امت کی قیادت بہترین نصرت کے ساتھ کی تھی، اور جالوت اور اس کے ہوا خواہوں کو سرزمین فلسطین سے کھدیڑ دیا تھا، اور صحرا میں بنی اسرائیل کی حیرانی و سرگردانی کا خاتمہ کر دیا تھا۔

....

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۳، ص۲۷۸

(۲) مجمع الزوائد، ج۶، ص۱۸۰، اور اس بات کے مدعی ہیں کہ ''الاوسط'' میں ابو یعلی اور طبرانی نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے راوی حضرت عمر بن داؤد کے علاوہ سب صحیح ہیں۔

اختلاف کے اسباب

ہمارا مقصد اس وقت حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو اتنے ہیں جن کو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا اور اس موضوع پر تو متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں ہمارا اصل مقصد ان حقیقی دعووں کی وضاحت ہے جس میں رسولؐ نے علیؑ کی لیاقت وصلاحیت کا اعلان کیا ہے اور امت مسلمہ کی حیات میں رونما ہونے والے جنگی اور صلحی اہم موارد کا اظہار ہے اور یہ ساری باتیں چچازاد بھائی اور اہلبیت ہونے کی وجہ سے نہیں تھیں جیسا کہ اس کے بارے میں ہم پہلے ہی تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

رسولؐ کا اصلی مقصد فرزندان توحید کی توجہات اس جانب مبذول کرانا تھی کہ علی اور اہلبیت رسولؐ ان کے بعد مرجعیت اسلامی کی اہلبیت ولیاقت رکھتے ہیں، پیغمبرؐ کے کلام کا لب لباب یہ تھا کہ امت مسلمہ اس بات کو تسلیم کرے جو اس بات کا سبب بنی کہ نظریاتی اختلاف ہو۔

ان میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو ارادہ نبوت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیئے تھے کیوں کہ شریعت محمدی، وحی سماوی کا پرتو علی تھی، کچھ وہ لوگ تھے جو یہ سوچ رہے تھے کہ رسولؐ اپنے چچازاد بھائی اور اہلبیت کے ساتھ مشفقانہ اور محبتانہ برتاؤ کر رہے تھے اسی کے سبب انھوں نے یہ خیال کر لیا کہ حق مشورت رکھتے ہیں بلکہ اعتراض کا بھی حق رکھتے ہیں، اس کا ثبوت بھی موجود ہے جو حسد کے سبب بعض لوگوں کی جانب سے معرض وجود میں آیا۔

ہماری یہ بات صرف ادعا کی حد تک اور بے بنیاد نہیں ہے، بلکہ متواتر روایات اس حقیقت پر گواہ ہیں بریدہ کی گذشتہ روایت آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ خالید بن ولید نے بریدہ کو رسولؐ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ علی کی شکایت کریں وہ اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، اسی لئے تو خالد نے بریدہ سے کہا تھا کہ وہ کنیز مال غنیمت کی تھی جو تصرف میں لائی گئی ہے۔

یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے ان اصحاب کے اقوال سے جو بریدہ کو اکسا رہے تھے کہ رسول

کے پاس جا کر شکایت کرو تا کہ علی رسول کی نظروں سے گر جائیں پھر رسول غیض وغضب کی صورت میں باہر آئے تھے اور اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ''جس نے علی کو اذیت دی اس نے خود رسول اکرمؐ کو اذیت دی''

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ (یوم الطائف) طائف کے روز جب رسول اور علی کی سرگوشی طولانی ہوگئی تو لوگوں کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نمایاں تھے، لوگوں نے (طنزاً) کہا کہ اس دن تو سرگوشی بہت طولانی ہوگئی۔

رسول نے فرمایا: میں نے علی سے (نجویٰ) سرگوشی نہیں کی ہے بلکہ اللہ نے ان سے نجویٰ کیا ہے۔(۱)

زید بن ارقم راوی ہیں کہ مسجد نبوی میں بہت سارے اصحاب کے دروازے کھلتے تھے تو آپؐ نے فرمایا: ''علی کے علاوہ سب کے دروازے بند کردو''۔

لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں تو رسول کھڑے ہوئے اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا: میں نے علی کے علاوہ سارے دروازوں کو بند کرنے کے لئے کہا تھا تو تم لوگوں نے اعتراض کیا ہے! خدا کی قسم نہ ہی میں نے کوئی چیز کھلوائی ہے اور نہ ہی بند کرائی ہے بلکہ مجھ کو کسی بات کا حکم دیا گیا تھا جس کو بجا لایا ہوں۔ (۲)

سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھ اور دو افراد مسجد میں بیٹھے ہوئے علی کے بارے میں کچھ نامناسب باتیں کہیں اتنے میں رسول آگئے آپ اس قدر غصہ میں تھے کہ چہرے سے اس کے آثار نمایاں تھے. ہم نے اس دن رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگی، آپ نے فرمایا: ''تم

....

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، ج۲، ص۱۸۶، تاریخ دمشق ابن عساکر، ج۲، ص۳۱۲

(۲) المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۵

کو کیا ہو گیا، آخر ہم سے کیا چاہتے ہو، جس نے علی کو اذیت دی اس نے ہم کو اذیت دی“(۱)

خود حضرت امیر المومنین ناقل ہیں کہ ہم مدینہ کی گلیوں سے گذر کر ایک باغ میں پہنچے رسول ہمارے ساتھ تھے اور وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، میں نے کہا: یا رسول اللہؐ یہ باغ کتنا خوبصورت ہے۔

آپ نے فرمایا: ”جنت میں اس سے حسین باغ ہمارے لئے ہے“ جب راستہ ختم ہوا تو رسولؐ نے مجھے گلے سے لگایا اس کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے میں نے عرض کی، یا رسول اللہ کیوں رو رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا: لوگوں کے دلوں میں تمہارے لئے کینے بھرے ہیں جو میرے بعد ظاہر کریں گے۔

جناب امیر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ میرا دین سلامت ہے نہ۔؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں تمہارا دین سلامت ہے۔(۲)

حیان اسدی سے روایت ہے کہ میں نے امیر المومنین کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ رسولؐ نے میرے لئے فرمایا: میرے بعد امت تم سے جنگ کرے گی اور تم میری راہ شریعت پر گامزن ہوگے اور میری سنت پر جہاد کرو گے جو تم سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرے گا جس نے تم کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا اور یہ اس سے خضاب ہوگی۔۳؎ (یعنی تمہاری ڈاڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگین ہوگی) اہلبیت سے خلافت کو جدا کرنے کا زمینہ فراہم ہو چکا تھا۔

....

(۱) مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۹، پر کہا ہے کہ ابو یعلی اور بزار نے اس کو اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے اور یعلی کے راویان صحیح السند ہیں سوائے محمود بن خداش وقتان، یہ دونوں ثقہ ہیں.

(۲) مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۱۸

(۳) المستدرک، ج ۳، ص ۱۴۳ ذہبی نے اس کو صحیح جانا ہے اور اس کی موافقت کی ہے.

نبوت وخلافت بنی ہاشم میں جمع نہ ہونے کی ایک وجہ حسد تھی جس کو قریش کے سرکردہ افراد کسی صورت میں جائز نہیں سمجھتے تھے کہ یہ دونوں چیزیں کسی ایک گھر میں اکٹھا ہو جائیں، یہ بات ابن عباس اور خلیفہ ثانی کے مذاکرہ سے اور واضح ہو جاتی ہے۔

عبداللہ ابن عمر راوی ہے کہ ایک دن میں اپنے والد کے پاس بیٹھا تھا اور کئی افراد ان کے پاس جمع تھے اس وقت شعر کی بات نکل آئی، والد نے کہا کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے؟

تو لوگوں نے کئی لوگوں کا نام پیش کیا، اتنے میں عبداللہ وارد ہوئے سلام کیا اور بیٹھ گئے، عمر نے کہا کہ باخبر شخص آ گیا ہے، عبداللہ! سب سے بڑا شاعر کون ہے؟

تو انھوں نے کہا: کہ زہیر ابن ابی سلمیٰ، عمر نے کہا کہ اس کے بہترین اشعار کو سناؤ؟

عبداللہ نے کہا: کہ امیر اس نے بنی غطفان جن کو بنی سنان کہا جاتا تھا ان کی مدح کی ہے۔

''اگر کرم وسخاوت کے سبب کوئی قوم سورج پر جا کر قیام کرے تو وہی قوم ہوگی جس کا باپ سنان ہے، وہ خود پاک ہے اور اس کی اولادیں بھی طاہر ہیں، اگر امن اختیار کریں تو انسان کامل، اگر بپھر جائیں، تو جنات صفت، اگر علم و تحقیق کا میدان اختیار کریں، تو دانائے دہر ہیں، اللہ کی دی ہوئی نعمات کے سبب لوگ ہمیشہ ان سے حسد کرتے رہے اور مورد حسد واقع ہونے کے سبب اللہ نے ان سے نعمتیں نہیں سلب کیں۔

عمر نے کہا: خدا کی قسم بہت عمدہ ہے اور اس تعریف کا حقیقی مستحق صرف بنی ہاشم کا گھرانہ ہے کیونکہ رسول اللہؐ سے سب سے زیادہ قریب یہی لوگ تھے۔

ابن عباس نے کہا: امیر! خدا آپ کا بھلا کرے۔

عمر نے کہا: ابن عباس جانتے ہو لوگوں نے تم کو کیوں اس (خلافت) سے روک دیا؟

عبداللہ نے کہا: نہیں!

عمر نے کہا: ہم جانتے ہیں!

ابن عباس نے کہا: امیر وہ کیا ہے؟

عمر نے کہا: لوگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت وخلافت تم (بنی ہاشم) میں اکٹھا ہو جائے، اورتم لوگوں نے اس مسئلہ میں بہت غرور وتکبر کا اظہار کیا، قریش نے اس مسئلہ کو خود سے حل کیا اور اس میں کامیاب ہو گئے۔

ابن عباس نے کہا: امیر کیا میری باتوں کو غصہ ہوئے بغیر سن سکیں گے؟

عمر نے کہا: جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو۔

عبد اللہ نے کہا: امیر جو آپ نے کہا کہ قریش نے کراہت کی! تو قول پروردگار ہے کہ ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ (۱) خدا نے جو کچھ نازل کیا تھا اس کو ان لوگوں نے ناپسند کیا لہٰذا ان کے اعمال حبط (ختم) کر دیئے!۔

اور آپ کی یہ بات کہ ہم غرور کر رہے تھے تو اگر ہم خلافت پر فخر کر رہے تھے تو قرابت پر بھی تو ہم نازاں تھے جبکہ ہمارا اخلاق رسول اکرمؐ کے اخلاق سے مشتق تھا کیونکہ خدا نے آپؐ کے بارے میں فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (۲) اے رسول آپ اخلاق کے بلندترین مرتبہ پر فائز ہیں۔

دوسری جگہ پر خدا نے آپ کے لئے فرمایا: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اے میرے حبیب اپنے پیروکاروں سے انکساری سے پیش آئیں۔(۳)

آپ نے جو یہ کہا کہ قریش نے چن لیا تو خدا فرماتا ہے کہ: ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَايَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ اور آپ کا پروردگار جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے ان

---

(۱) سورۂ محمد، آیت ۹

(۲) سورۂ قلم، آیت ۴

(۳) سورۂ شعراء، آیت ۲۱۵

لوگوں کو کسی کا انتخاب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔(۱)

اور امیر آپ جانتے ہیں کہ خدا نے اپنے بندوں میں کس کو منتخب کیا اگر قریش ویسے دیکھتے جیسے خدا نے دیکھا ہے تو اپنے فیصلہ میں صحیح طور سے کامیاب ہوتے۔

عمر نے کہا: ابن عباس ذرا متانت سے کام لو، تم بنی ہاشم کے قلوب، بغض سے بھرے ہوئے ہیں خاص طور سے قریش کے حوالے سے بالکل کمی نہیں ہے اور یہ ایسا کینہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

ابن عباس نے کہا: امیر ذرا ٹھہریئے! آپ نے بنی ہاشم کو دھوکے باز کہا ہے ان کے قلوب قلب رسول کا جزء ہیں جس کو خدا نے طاہر اور پاک بنایا ہے وہ اہلبیت رسولؐ ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (۲) جو آپ نے یہ کہا کہ کینہ ہے تو وہ شخص کیسے نہ اس کا شکار ہوگا جس کا حق چھین لیا گیا ہو اور اس کی ملکیت دوسرے کے ہاتھوں میں ہو۔

عمر نے کہا: ابن عباس تمہارے حوالے سے کچھ بات مجھ تک پہنچی ہے جس کو میں بیان نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ تم میری نگاہوں میں گر جاؤ گے!

ابن عباس نے کہا: امیر کہیے کیا بات ہے اگر باطل ہے تو میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنے آپ سے باطل کو جدا کر دیا اور اگر حق ہے تو آپ کی نظروں سے گرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

عمر نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم مستقل یہ کہتے پھر رہے ہو کہ یہ امر (خلافت) حسد اور ظلم کی بناء پر تم (بنی ہاشم) سے چھین لیا گیا ہے۔

---

(۱) سورۂ قصص، آیت ۶۸

(۲) سورۂ احزاب، آیت ۳۳

ابن عباس نے کہا: اے امیر! آپ کا حسد کے متعلق کہنا تو درست ہے اس لئے ابلیس نے آدمؑ سے حسد کیا تھا جس کی بناء پر وہ جنت سے نکال دیا گیا تھا لہٰذا ہم فرزندان آدم محسود (جس سے حسد کیا جاتا ہے) ہیں!

رہی آپ کی ظلم والی بات، تو امیر بہتر جانتے ہیں کہ اصلی حقدار کون ہے؟

اس کے بعد کہا کہ اے امیر! کیا عرب، عجم پر رسولؐ کے سبب فخر نہیں کرتے؟ اور قریش سارے عرب پر رسولؐ کی بناء پر ناز نہیں کرتے اور ہم سارے قریش کے بنسبت رسولؐ سے زیادہ قریب ہیں۔

عمر نے کہا: اٹھو اور یہاں سے اپنے گھر جاؤ۔

عبداللہ اٹھے گھر کی طرف چل دیئے اور جب واپس ہوئے تو عمر نے آواز دی، ابن عباس! میں تیرے بنسبت زیادہ حقدار ہوں۔

عبداللہ، عمر کی جانب مڑے اور کہا کہ اے امیر! ہم تم سے اور پوری امت مسلمہ سے زیادہ رسولؐ کی وجہ سے حقدار ہیں جس نے اس کی حفاظت کی گویا اس نے اپنے حق کی حفاظت کی، جس نے اس کو ضائع کیا گویا اس نے اپنا حق ضائع کر دیا۔(۱)

اس سے بڑھ کر اس وقت قوم نے جس بات کو دلیل بنا کر حضرت علیؑ سے خلافت کو جدا کر دیا تھا وہ بات یہ تھی کہ حضرت علیؑ نے اسلام کی عظیم جنگوں میں مشرکین کے سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بظاہر ان کی گردنوں میں اسلام کا قلادہ پڑا تھا لیکن دلوں میں جنگوں کے کینے چھپائے ہوئے تھے اور عثمان بن عفان (خلیفۂ ثالث) نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے۔

ابن عباس نے جیسا کہ روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ اور عثمان کے درمیان کچھ کلامی ردوبدل ہوئی تو عثمان نے کہا کہ، قریش تم سے محبت نہیں کرتے تو یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کیونکہ آپ نے

(۱) شرح ابن ابی الحدید، ج ۱۲، ص ۵۲

جنگ بدر میں ان کے ستر آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کے چہرے سونے کی بالیاں تھیں ان کو عزت ملنے سے پہلے ہی ان کی ناک رگڑ دی گئی۔(۱)

شاہراہ اجتہاد کا استعمال

(نص کے مقابل راہ اجتہاد) کی تدبیریں قوی اور بیخ کن تھی جنھوں نے خلافت کو اہل بیت سے جدا کر دیا اور اس طرح کے مواقع وفات رسول سے قبل اور غدیر کے بعد رونما ہونے لگے تھے، یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح تھی کہ رسولؐ حضرت علیؑ کو اپنے بعد اسلام کا مطلق مرجع و مرکز گردانتے تھے تا کہ اسلامی شہروں کی سیاسی، عسکری، اقتصادی، دینی، اور ہر طرح کی دیکھ بھال میں رسول اکرمؐ کے مکمل جانشین ثابت ہو سکیں۔

جب رسولؐ نے لشکر اسامہ کے ساتھ جنگ میں شرکت کے مسئلہ میں بعض لوگوں کی نافرمانی اور روگردانی دیکھی تو اس بات کا ارادہ کیا چونکہ نبی مرض الموت میں مبتلا ہیں اور آفتاب رسالت بس غروب ہونے والا ہے اور آپ کا وجود نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا لہذا کوئی شخص ان کا جانشین معین ہو جائے اور پہلے نظریہ کے حامل اصحاب میں موجودہ صورت حال سے کھلبلی مچی ہوئی تھی، اور رسولؐ جوار رب میں جانے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہے تھے اور وہ مدینہ منورہ کو ایک دور افتادہ زمین کے لئے میدان جنگ بنانا چاہتے تھے اور اس کے جنگی نتیجہ سے بالکل بے خبر تھے، اور حضرت علیؑ اور ان کے ہم فکر افراد اس حملہ کے حق میں نہیں تھے تو ظاہری بات ہے کہ ایسے وقت میں رسول کی ذاتی تدبیر کیا تھی؟۔

اور یہ صرف اس لئے تھا کہ یہ مسئلہ مرکز سے دور ہو جائے اور فضا سازگار ہو جائے تا کہ علی کی

....

(۱) شرح ابن ابی الحدید، ج ۹، ص ۲۲

ولایت کا استحکام آسان ہو جائے اور جب فوج اپنی مہم کو سر کر کے واپس آئے گی تو اس وقت مسئلہ خلافت بنحو احسن انجام پذیر ہو چکا ہوگا۔

علیؑ کی بیعت ہو چکی ہوگی اور امور اپنی جگہ مستقر ہو چکے ہوں گے اس وقت کسی قسم کا اختلاف نہیں رہ جائے گا اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا اور سب اس جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے جہاں لوگ پہلے سے جمع ہیں۔

حزب مخالف (اپوزیشن پارٹی) کے لوگ اس حقیقت کو تاڑ گئے تھے لہٰذا انھوں نے جیش اسامہ کی پیش قدمی میں ٹال مٹول کر رہے تھے، ہر چند کہ رسولؐ اسامہ کے لشکر کو جلد از جلد روانہ ہونے پر مصر تھے اور بار بار تکرار فرماتے تھے کہ ''انفذو ابعث اسامہ ''جیش اسامہ کو جلد روانہ کرو، یہ جملہ خود رسولؐ کی بے کیفی کا غماز ہے کیونکہ آپ کی عجلت کے باوجود ان کے تعمیل حکم میں سستی برتی جارہی تھی جبکہ آپ چاہتے تھے کہ مرکز خرافات دور ہو جائے اور یہاں سے چہ میگوئیاں ختم ہو جائیں۔

اس کے بعد رسولؐ نے دوسرا موقف اختیار کیا اور فیصلہ کو قطعی اور حتمی شکل دینے کے لئے اور اپنے بعد علیؑ کو اپنا وزیر مقرر کرنے کے لئے ایک تحریری ثبوت مہیا کرنا چاہا جس سے انحراف کا امکان نہیں تھا، لہٰذا اصحاب سے اس بات کی خواہش کی کہ قلم و دوات مہیا کردیں تاکہ ان کے لئے نوشتہ لکھ دیں اور وہ لوگ گمراہی سے بچ جائیں جیسا کہ اس کی خبر گذشتہ بحثوں میں گذر چکی ہے۔

اجتہادی نقطۂ نظر سے اس بات کا انکشاف مشکل نہیں تھا کہ اس تحریر کے معنی و مقصد کو سمجھ لیا جائے، کیونکہ رسولؐ بستر موت پر ہیں اور صورت حال کچھ ناگفتہ بہ ہے لہٰذا اس نوشتہ میں صرف وصیت ہی ہوگی! جس کا پورا پورا یقین پایا جاتا ہے اور اس تحریر میں رسول کی وصیت میراث اور اس کے مثل مسائل سے قطعی مربوط نہ ہوگی، کیونکہ رسولؐ کا قول ''لا تضلون بعدہ ''تاکہ اس تحریر کے بعد گمراہی نہ ہو، رسولؐ کا قول صرف امت اور اسلام کے مستقبل سے متعلق تھا کیونکہ شریعت اب مکمل

ہوچکی تھی اور خداوند تعالی نے اس بات کی خبر بھی دے دی تھی، ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ﴾(۱) اے رسول، آج کے دن ہم نے آپ کے دین کو مکمل کردیا اور آپ پر نعمتیں تمام کردیں اور آپ کے دین اسلام سے راضی ہوگیا۔

مذکورہ آیت کو حدیث رسولؐ کے اس فقرہ ''لاتضلون بعدہ'' سے جو حدیث ثقلین سے مربوط ہے کہ ''ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا'' جب تک قرآن واہل بیت سے متمسک رہو گے گمراہ نہیں ہوگے، تقابل کرنے سے یہ بالکل عیاں ہوگیا کہ رسولؐ اس وصیت میں اپنے بعد اہلبیت کے سلسلہ میں وصیت کرنا چاہتے تھے اور ان کے سربراہ وسردار حضرت علیؑ کے سلسلہ میں وضاحت کرنا چاہتے تھے، اسی سبب شاہراہ اجتہاد کے سالکین اپنی تمام تر توتوں سمیت مقصد رسالت کو مکمل ہونے سے مانع ہوئے اور اس بات تک کا خیال کر بیٹھے کہ رسول مرض کے سبب معاذ اللہ ہذیان بکنے لگے ہیں۔(۲)

رسولؐ کے پاس اس نافرمانی کا کوئی بدل نہیں تھا جوانھوں نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا وہ بھی اس طرح کی مخالفت کی صورت میں جو انھوں نے انجام دیا تھا سوائے اس کے کہ اس بھرے مجمع میں یہ کہدیں کہ ''قوموا عنی...'' یہاں سے چلے جاؤ! یہ نتیجہ صرف ہمارے ہی نزدیک نہیں ہے بلکہ خود عمر نے اس کی وضاحت کی ہے۔

---

(۱) سورۂ مائدہ، آیت

(۲) روایات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ عمر بن الخطاب نے یہ جملہ کہا تھا کہ (نبی ہذیان بک رہے ہیں اور جب بعد کے محدثین نے اس جملہ کی کڑواہٹ کو محسوس کیا تو جملہ کو بدل دیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر نے کہا کہ آپؐ پر بخار کا غلبہ ہوگیا تھا۔

ابن عباس نے عمر سے روایت کی ہے: عمر کے ابتدائے خلافت میں ان کے پاس گیا تو ان کے سامنے کھجور کے پتوں کی بنی ٹوکری میں کھجور رکھ دی گئی انھوں نے مجھے بھی دعوت دی، میں نے ایک کھجور اٹھالی، انھوں نے بقیہ ختم کردی اور ایک مٹکا جوان کا مخصوص تھا اس کو ختم کیا اور ہاتھوں کا تکیہ بنا کے لیٹ گئے اور حمد الٰہی کی تکرار کرنے لگے، یکا یک مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: اے عبداللہ! کہاں سے آرہے ہو؟

میں نے کہا: مسجد سے۔

پھر پوچھا کہ اپنے چچازاد بھائی کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟

میں سمجھا کہ عبداللہ بن جعفر کے بارے میں سوال کیا ہے میں نے کہا: وہ اپنے ہمسن بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مشغول ہے۔

انھوں نے کہا: میری مراد وہ نہیں ہے بلکہ تم اہل بیت کے سید وسردار۔

میں نے کہا: وہ فلاں شخص کے باغ میں آبیاری کر رہے ہیں اور تلاوت قرآن فرماتے جارہے ہیں۔

انھوں نے کہا: عبداللہ! تمہاری گردن پر قربانیوں کا خون ہوگا اگر تم نے چھپایا، سچ بتاؤ کیا اب کوئی چیز ان کی خلافت میں باقی رہ گئی ہے!؟

میں نے کہا: ہاں۔

انھوں نے کہا: کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے ان کے لئے کوئی نص بیان کی ہے؟

میں نے کہا: ہاں، بلکہ اس سے زیادہ، میں نے اپنے والد سے اس بارے میں سوال کیا، جس بات کے وہ (علیؑ) مدعی تھے؟

تو انھوں نے کہا: ہاں۔

عمر نے کہا: علی کے بارے میں رسول کے قول میں کئی رخ پائے جاتے تھے اور کوئی بطور حجت پیش نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ قابل قبول عذر ہوں گے، وہ خود حالات کے تحت علی کے سلسلہ میں اپنے قول میں توقف فرماتے تھے۔

رسول آخری وقت میں علی کے نام کو معین کر دینا چاہتے تھے مگر میں نے اسلام کی حفاظت کے پیش نظر اس کام کو ہونے نہیں دیا، نہیں بالکل نہیں، قسم ہے رب کعبہ کی کبھی بھی علی کی ذات پر قریش اتفاق کر ہی نہیں سکتے، اور اگر علی کو قریش کا حاکم بنا بھی دیتے تو عرب چار سمتوں سے ان کی مخالفت کرتے۔

رسول خدا اس بات کو قطعی سمجھ گئے تھے کہ میں ان کے دل کے راز سے واقف ہوں لہذا انھوں نے اس سے پرہیز کیا اور خدا نے حتمی فیصلہ پر دستخط ہونے سے گریز کیا۔(۱)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ج ۱۲، ص ۲۱۔۲۰ پر اس بات کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ احمد بن ابی طاہر صاحب تاریخ بغداد نے اس کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تیسری فصل

تیسری فصل

آغاز تشیع

مسلک اجتہاد جو کہ وصیت وتعلیمات نبوی کے مقابل کبھی بھی سر تسلیم خم کرنے کے قائل نہیں تھا، اس کے مقابل ایک فرمانبردار گروہ وہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ نبی اکرمؐ کے تمام احکامات کا مطیع ہونا چاہیئے وہ جس امر سے بھی متعلق ہو، چاہے وہ احکامات شریعت ہوں یا رحلت رسالت کے بعد امور کی انجام دہی، لہٰذا کچھ مردان خدا نے نص کی پیروی کے مسلک کی بنیاد رکھی اور ان کی تعداد شاید دس سے زیادہ نہ ہو، لیکن بعد میں افراد ان کے گروہ میں شامل ہوتے چلے گئے۔

ظاہری بات ہے کہ نص کی اتباع میں شریعت کے وہ امور جن میں ان کا موقف دینی مرجعیت اور رسولؐ کے بعد سیاسی مراحل سے متعلق ہے ان میں رسولؐ سے مدد طلب کی ہوگی، اور انھوں نے ولایت وشخصی اختیارات میں شخصی اجتہاد نہیں کیا ہوگا، اور یہ ایسا گروہ ہے جس پر نصوص نبوی کی تائید ہے حضرت علیؑ کے مانند حسین وجامع کمالات شخص کے لئے جو نفسانی اور اخلاقی صفات کے حامل ہیں تاکہ یہ عظیم منصب صحیح جگہ مستقر ہو سکے جس پر وہ پیغام متوقف ہے جس کے قوانین رسولؐ نے مرتب کئے اور اس کی بنیاد ڈالی۔

لہٰذا رسولؐ کے بعد آنے والے شخص پر لازم ہے کہ اس مرکز کی حفاظت کرے اور اس کو ان

مخالف آندھیوں سے بالکل محفوظ رکھے جو تبدیلیٔ زمان اور مرور ایام کے سبب طویل سفر میں درپیش ہو سکتی ہیں، خاص طور سے مسلمانوں کا وہ دور، جس کا زمانہ عہد ماضی سے بہت قریب ہے، اور ہجرت رسولؐ کے بعد نفاق کی ریشہ دوانیوں کی شدت کے وقت، اور بعض افراد کا مسلمین و مشرکین کے بیچ پیں دینے والی جنگ کے کینوں کے سبب متحد ہونا جن میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو فتح مکہ کے بعد شریک اسلام ہوئے ہیں اور یہ وہ وہی لوگ ہیں جن کو رسول نے (طلقاء) آزاد شدہ کہا ہے، اور مال وغیرہ کے ذریعہ ان کی قلبی مدد کی تھی۔

اس بات کے پیش نظر کی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف جو ان کے دلوں میں کینے چھپے ہیں وہ ختم ہو جائیں اور بعض لوگوں کے دلوں میں جو حب دنیا اور اس کی رنگینیوں سے دلچسپی رکھتے تھے وہ بجھ جائیں۔

نبی اکرمؐ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ سرداران قریش جو کچھ ان کے ہاتھ میں تھا (سرداریٔ قوم) اس کو چھوڑنے کے بعد بادل نخواستہ اسلام میں شامل ہوئے ہیں اور سردست ان کے پاس اس نئے اسلام کو اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا جبکہ اسلام ایک عظیم دین ہے پھر بھی وہ اس کو تسلیم کرنے پر راضی نہیں تھے۔

اس کے علاوہ آئندہ دنوں میں جزیرۂ عرب کے باہر کی اسلام دشمن طاقتیں مسلسل ڈرا رہیں تھیں اور اس کا نظیر صاحب قوت وقدرت حکومتیں تھیں۔

اور یہ بالکل فطری بات تھی کہ اس کا سبب مسلمانوں کا تحول ان حکومتوں کے لئے اور حیرت انگیز تھا جو حکومتیں اپنے آس پاس کے لوگوں کو ڈرا دھمکا رہیں تھیں ہر چند کہ ان کی گیدڑ بھبھکی کے مقابل مسلمانوں کے پاس حفاظت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

لہٰذا نص کی مکمل پیروی، اس اجتہادی روش کے سامنے جو نص شرعی اور نص نبوی کے مقابل علم بغاوت بلند کئے ہے، مدد کی خواہاں ہے جبکہ ایک لحاظ سے نص شرعی و نبوی کا مرکز حضرت علیؑ ہیں اور

دوسرے لحاظ سے وجود ظاہری میں اس نبوی موقف کے مصداق بھی حضرت علیؑ ہی ہیں۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

"مَن اطاعنی فقط اطاع اللّٰہ و مَن عصانی فقد عصی اللّٰہ و مَن اطاع علیاً فقد اطاعنی و مَن عصی علیاً فقد عصانی" (١)

جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"انا و علیّ حجۃ اللّٰہ علی عبادہ" (٢)

ہم اور علی بندگان خدا پر حجت خدا ہیں۔

قال رسول اللہؐ:

"اُوحِیَ اِلَیَّ فی علیّ ثلاث، انہ سید المسلمین، امام المتقین، قائد الغرّ المحجّلین"

اللہ نے علی کے سلسلہ میں میرے پاس تین چیزوں کے بارے میں وحی نازل کی کہ: ١۔وہ سید المسلمین ٢۔امام المتقین ٣۔قائد الغرالمحجلین ہیں۔

---

(١) المستدرک علی الصحیحین، ج٣، ص١٢١، ابوذر سے روایت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ حدیث صحیح السند ہے، ج٣، ص١٢٨، الریاض النضرۃ، ج٢، ص١٦٧

(٢) کنوز الحقائق للمناوی، ص٤٣، تاریخ بغداد، ج٧، ص٨٨، الریاض النضرۃ، ج٢، ص١٩٣، ذخائر العقبیٰ، ص٧٧، نقاش سے انھوں نے روایت کی ہے۔

قال النبیؐ: ''علیّ مع الحق والحق مع علی و لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض یوم القیامة'' (۱)

علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر ہم سے ملاقات کریں گے۔

اور آپ کا قول حضرت علیؑ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ ''الحق مع ذا الحق مع ذا'' (۲) یہ اور اس کے مثل نصوص نبوی سے ان اصحاب نے یہ جانا کہ رسول اکرمؐ نے اس عظیم امر کو علی کے لئے ثابت کیا ہے یہ وہ ہیں جو حق کے ساتھ ہیں اور حق پر ہیں اور ان دونوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ بات گذر چکی ہے کہ رسولؐ نے قرآن واہلبیت کو ایک دوسرے کا ساتھی و ہمنوا بتایا ہے اور اس بات کی ضمانت لی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہونے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ حوض کوثر پر ہم سے ملاقات کریں گے۔

اس کے بعد یہی بات حضرت علیؑ سے مخصوص کی اور فرمایا: ''علی مع القرآن والقرآن مع

....

(۱) المستدرک، ج۳، ص۱۲۷، پر کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، کنز العمال، ج۶، ص۱۵۷، الاصابہ، ج۴، ص۳۳، اسد الغابہ، ج۱، ص۶۹، ج۳، ص۱۱۴، الریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۷۷، حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص۶۶، تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۱۲۲، الاستیعاب، ج۲، ص۶۵۷، مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۲، فیض القدیر للمناوی، ج۴، ص۳۵۸، وغیرہ

(۲) تاریخ بغداد، ج۱۴، ص۳۲۱، المستدرک، ج۳، ص۱۱۹، ۱۲۴، جامع ترمذی، ج۲، ص۲۹۸، مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۳۴، ج۷، ص۲۳۵، فخر رازی کہتے ہیں کہ علی ابن ابی طالب ہمیشہ بسم اللہ کو آواز بلند کہا کرتے تھے اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے اور جو کوئی بھی دین میں علی کی اقتدا کرے گا وہ ہدایت یافتہ ہے اور اس بات کی دلیل رسول کا یہ قول ہے: ''اللّٰھم ادر الحق مع علیّ حیث دار'' خدایا حق کو اس طرف موڑ جدھر علی جائیں. تفسیر کبیر، ج۱، ص۲۰۴، باب الجھر بالبسملة.

علی، لن یفترقا حتی یردا علی الحوض "(۱) جب قرآن حق ہے اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش بھی نہیں ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں تو ظاہری بات ہے کہ علی حق کے ساتھ ہیں اور بالکل واضح ہے کہ علی حق پر ہیں لہٰذا ان کی اتباع اسی طرح واجب ہے جس طرح حق کی اتباع واجب ہے۔

یہ وہ اہم دلائل ہیں اس گروہ کے جو اتباع نص کو واجب کہتے ہوئے علیؑ سے تمسک کو ضرورت دین سمجھتے ہیں اور ان کی مخالفت کو ناجائز، اور ان کا موقف حیات رسولؐ ہی میں سب پر واضح تھا۔

محمد کرد علی کہتے ہیں: کہ عصر رسولؐ ہی میں بزرگ صحابہ کرام ولایت علیؑ کے حامی تھے، جیسا کہ سلمان فارسی کہتے ہیں کہ ہم نے رسولؐ کی بیعت مسلمین کے اتحاد، علی ابن ابی طالبؑ کے امام اور ان کی ولایت کے لئے کیا تھا۔

انھیں کے مانند ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ لوگوں کو پانچ چیزوں کا حکم دیا گیا تھا انھوں نے چار کو اپنایا اور ایک کو چھوڑ بیٹھے جب ان سے ان چاروں کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا کہ: نماز، زکاۃ، ماہ رمضان کا روزہ اور حج۔

پوچھا گیا وہ کیا چیز ہے جس کو چھوڑ دیا گیا: تو کہا کہ ولایت علی بن ابی طالبؑ، پوچھنے والے نے کہا کہ کیا یہ بھی ان چیزوں کے ہمراہ فرض تھی۔

تو ابو سعید نے کہا: ہاں۔

اور انھیں کے ہمرکاب تھے، ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، حذیفہؓ بن الیمان وذو الشہادتین خزیمہ بن ثابت، ابو ایوب انصاری، خالد بن سعید بن العاص، قیس ابن سعد ابن عبادہ۔(۲)

اور اس حقیقت کی جانب ڈاکٹر صبحی صالحی مائل ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ خود حیات رسولؐ

---

(۱) المستدرک، ج ۳، ص ۱۲۴، مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۳۴، کنز العمال، ج ۶، ص ۱۵۳، فیض القدیر، ج ۴، ص ۳۵۶

(۲) خطط الشام، ج ۵، ۲۵۱

میں شیعہ گروہ موجود تھا جو پروردۂ رسولؐ حضرت علیؑ کے تابع تھے، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود، جابر ابن عبد اللہ، ابی ابن کعب، ابوطفیل عامر بن واثلہ، عباس بن عبد المطلب اور ان کے سارے فرزند، عمار بن یاسر ابوایوب انصاری یہ سب شیعیان علیؑ تھے۔(۱)

کلمۂ (شیعہ) کی اصطلاح بھی کوئی نئی نہیں ہے بلکہ رسولؐ کے حیات مبارک کے آخری دنوں میں رائج ہوئی ہے جیسا کہ بعض افراد کا نظریہ ہے بلکہ رسولؐ کی زندگی کے ابتدائی دنوں میں اور آخری ایام میں اس لفظ کی تکرار فرماتے تھے تاکہ علیؑ کی پیروی کرنے والوں پر دلالت کرے اور ان کو اس بات کی بشارت دی کہ وہ حق پر ہیں اور کامیاب ہیں اور وہ خیر الناس ہیں۔

مفسرین وحافظین قرآن نے یہ بات لکھی اور کہی ہے کہ جب یہ آیت ﴿ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات أولئك هم خير البرية﴾، ایمان دار اور نیک عمل انجام دینے والے یقیناً بہترین گروہ ہیں، نازل ہوئی تو رسولؐ نے فرمایا: ”انت یا علی و شیعتك “(۲) اے علی! وہ نیک گروہ (خیر البریہ) تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔

---

(۱) النظم الاسلامیہ، ص ۶۹ (۲) تفسیر طبری، ج ۳۰، ص ۱۷۱، درمنثور، سیوطی نے کہا کہ ابن عساکر نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ ہم سب رسولؐ کے پاس بیٹھے تھے اور علیؑ وارد ہوئے تو رسولؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ”والذی نفسی بیدہ ان ھذا و شیعتہ لھم الفائزون یوم القیامۃ“ ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بیشک یہ (علی) اور ان کے شیعہ کامیاب ہیں. اور آیت نازل ہوئی: ﴿ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک هم خير البرية﴾، جب بھی علی آتے تو اصحاب رسولؐ بے ساختہ کہہ اٹھتے خیر البریہ آگئے اور ابن عدی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو رسولؐ نے علیؑ سے کہا: ”ھو انت و شیعتك یوم القیامۃ راضین مرضین“ ”وہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں جو روز محشر خدا سے اور خدا ان سے راضی ہے، ابن مردویہ نے اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ رسولؐ نے کہا: ”انت و شیعتك موعدی و موعدکم الحوض اذا جائت الامم للحساب تدعون غراً محجلین“ ”تم اور تمہارے شیعوں اور میری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے جب امتیں حساب کتاب کے لئے آئیں گے تو تم کو نورانی پیشانی والے ”غر المحجلین“ کہہ کے پکارا جائے گا۔

راستہ کی نشاندہی

وہ اصحاب جو شیعیان علیؑ تھے ان کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت بنی ہاشم اوران کے سردار سے خارج نہیں ہے اور اس پر رسولؐ کی تاکید بھی ہے اور مستقل لوگوں کو اس بات پر اکسایا ہے کہ علی اور اہل بیت رسولؐ سے متمسک رہیں، لیکن سقیفائی حادثات نے حالات کو یکسر بدل دیا اور علیؑ اور ان کے حامیوں کے لئے یہ بہت بڑا المیہ تھا، جبکہ کوئی ایک بھی ان کے ہم پلہ نہ تھا، علامات ونشانیوں کے باوجود اجتہادی مسلک کے پیرو اس مسئلہ (خلافت) میں ارادۂ نبوت کے حامی نہیں تھے ان کے سرداروں میں سے ایک نے ابن عباس سے صراحتاً کہا: قریش اس بات سے کترا رہے ہیں کہ نبوت وخلافت خاندان بنی ہاشم میں جمع ہو جائے۔

اور سارے حادثات اسی ناپسندیدگی کے باعث وجود میں آئے جس کے آثار سقیفہ بنی ساعدہ کی صورت میں نمودار ہوئے۔

اس مسلک کے ارادے کے اثرات حضرت علیؑ کے پیروؤں پر پوشیدہ نہیں تھے بلکہ ان افراد کے بیچ ایسے باشعور افراد تھے جو اس بات کو بخوبی درک کر رہے تھے کہ قریش کی ساری کوشش اس بات کی ہے کہ اس (خلافت) کو سردار قریش اوران کے فرزندوں سے چھپا لیا جائے جیسا کہ براء بن عازب نے بیان کیا کہ: میں ہمیشہ بنی ہاشم کا دوست تھا جب رسولؐ کی وفات ہوئی تو مجھ کو اس بات کا ڈر پیدا ہوا کہ قریش کہیں بنی ہاشم سے خلافت کو ہتھیا نہ لیں، اس وقت میری کیفیت ایک حواس باختہ شخص کی سی تھی، اور رسولؐ کی وفات کے سبب میں بہت غمزدہ تھا میں بنی ہاشم کے پاس آمد ورفت کر رہا تھا تو وہ حجرۂ رسالت میں جمع تھے اور میں قریش کے بزرگوں کا جائزہ لینے جا رہا تھا، اور عمر وابوبکر کی وفات کے وقت بھی میں اسی کیفیت میں تھا، اتنے میں کسی کہنے والے نے یہ آواز لگائی! لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں، دوسرے نے ہانک لگائی کہ ابوبکر کی بیعت کر لی گئی۔

تھوڑی ہی دیر میں کیا دیکھا کہ ابوبکر دکھائی دیئے اور عمر بن الخطاب ابوعبیدۂ جراح اور سقیفائی گروہ ان کے ساتھ تھا وہ سب ایک کمر بند کا تنگ گھیرا بنائے تھے اور جو کوئی بھی ادہر سے گذرتا تھا اس کو زبردستی پکڑ کر لاتے تھے اور ابوبکر کے سامنے پیش کرتے تھے اور اس کے ہاتھ کو بڑھا کر ابوبکر کی بیعت لے لیتے تھے وہ چاہے راضی ہو یا نہ ہو۔

میں مبہوت رہ گیا دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا، اور بے تکان بھاگتا ہوا محلۂ بنی ہاشم آیا تو دروازہ بند پایا میں نے دروازے کو بہت زور سے کھٹکھٹایا اور چیخا کہ لوگوں نے ابوبکر ابن ابی قحافہ کی بیعت کر لی ہے تو ابن عباس نے اندر سے آواز دی روز قیامت تک تمہارے ہاتھ بندھے رہیں، میں نے تم لوگوں کو ایک بات کا حکم دیا تھا مگر میرے حکم کی نافرمانی کی! میں اس وقت عجیب کیفیت میں مبتلا ہو گیا اور رات میں مقداد، سلمان، ابوذر، عبادہ بن صامت، ابا الہیثم بن تیہان، حذیفہ بن الیمان کو دیکھا کہ وہ لوگ اس امر (خلافت) کو مہاجرین کی شوریٰ کے درمیان پیش کر کے اس کا حل تلاش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔(۱)

سقیفہ کے حادثہ اور ابوبکر کی اچانک بیعت سے علی کے طرفداروں کا موقف بیش از پیش واضح ہونے لگا۔

یہ تو بہت چھوٹی سی بات تھی جس کو براء نے بیان کیا، اس کے بعد دوسرے بہت سارے مراحل ایک ناآگاہ اور اچانک بیعت کے سبب وجود میں آئے اسی حوالے سے سلمان نے کہا کہ: تم لوگوں نے ایک بوڑھے کا انتخاب کر لیا اور اپنے نبی کے اہل بیت کو چھوڑ دیا اگر تم اہلبیت رسول کو اپنا رہنما بناتے تو تم لوگوں میں کسی دو کے درمیان بھی کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہوتا اور ان کی ہمراہی میں خوشحالی کی زندگی بسر کرتے۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۲۱۹

جب لوگوں کی اکثریت نے ابوبکر کی بیعت کی اور ابوبکر وعمر دونوں نے اس مسئلہ پر بڑا زور دیا اور شدت بھی برتی، تو اس وقت ام مسطح بن اثاثہ باہر نکلیں اور قبر رسولؐ پر کھڑے ہوکر یہ اشعار پڑھے:

آپ کے بعد ایسے حادثات پیش آئے کہ اگر آپ زندہ ہوتے تو وہ وجود میں نہ آتے، ہم نے آپ کو اس طرح کھو دیا جس طرح زمین میں بڑے بڑے قطروں والی بارش سما جاتی ہے، آپ کی قوم میں تفرقہ پڑ گیا ہے لہٰذا ان کی طرف نظر عنایت کیجئے۔(۱)

گذشتہ بیان میں حادثات سقیفہ میں براء ابن عازب کا بیان گذر چکا ہے کہ انھوں نے اصحاب سے ملاقات کی اور بات یہاں ان کے قول پر ختم ہوئی تھی کہ: میں دل شکستہ ہوا، جب رات ہوئی تو میں نکل پڑا جب مسجد میں داخل ہوا تو مجھ کو اس وقت مسجد سے رسولؐ کے تلاوت قرآن کی آواز کا گمان ہوا، میں اپنی جگہ ٹھٹک گیا، باہر بنی بیانہ کے کشادہ مکان میں آیا تو وہاں میں نے کچھ لوگوں کو سرگوشی کرتے پایا، جب میں ان کے پاس گیا تو وہ سب خاموش ہو گئے میں پلٹ پڑا۔

ان لوگوں نے مجھے پہچان لیا میں نے کسی کو نہیں پہچانا، انھوں نے مجھے آواز دی، میں ان کے پاس گیا، تو کیا دیکھا کہ مقداد بن الاسود، عبادہ بن صامت، وہاں موجود ہیں اور حذیفہ ان سب سے مخاطب ہوکر کہہ رہے ہیں کہ وہ اس امر (خلافت) کو حاضرین کی شوریٰ (کمیٹی) کے سامنے پیش کریں گے۔

اس کے بعد کہا: ابی بن کعب کے پاس چلتے ہیں وہ امت کے ارادوں سے قطعی واقف ہے، براء کہتے ہیں کہ ہم سب ابی بن کعب کے پاس گئے اور دق الباب کیا وہ دروازے کے پیچھے آیا اور پوچھا کون؟

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۵۰ـ ۴۹

مقداد نے کہا: ہم۔

اس نے کہا: کیا بات ہے؟

مقداد نے کہا: دروازہ کھولو کچھ اہم بات پر گفتگو کرنی ہے جس کے لئے محفوظ جگہ ضروری ہے۔

اس نے کہا: ہم دروازہ نہیں کھولیں گے میں سمجھ گیا تم لوگ کس لئے آئے ہو؟ تم لوگ اس معاملہ (بیعت) پر نظر ثانی کرنا چاہتے ہو؟

ہم سب نے ایک زبان ہوکر کہا: ہاں۔

اس نے پوچھا: کہ کیا حذیفہ تم لوگوں کے ساتھ ہیں؟

ہم سب نے کہا: ہاں۔

اس نے کہا حذیفہ کی بات آخری ہوگی، خدا کی قسم میں دروازہ کھول رہا ہوں تاکہ حالات معمول پر رہیں اس کے بعد جو حالات پیش آئیں گے وہ ان سے بدتر ہوں گے اور ہم خدا سے اس کا گلہ کرتے ہیں۔

ابی ابن کعب اس راز کو اپنے سینہ میں لئے پھرتا رہا برسوں بعد اس کو فاش کرنا چاہا، اے کاش! اس کو موت ایک دن کی مہلت دیدیتی۔ (۱)

علی بن صخرہ سے روایت ہے کہ: میں نے ابی ابن کعب سے کہا کہ اصحاب رسول آپ کا کیا حال ہے؟ ہم دور سے آئے ہیں آپ سے خیر کی امید رکھتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ نرمی برتیں گے۔

انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم اگر اس جمعہ تک زندہ رہا تو تم لوگوں کو ایک راز بتاؤں گا جس کے برملا کہنے پر تم لوگ چاہے زندہ رکھو یا مجھے قتل کردو۔

....

(۱) شرح نہج البلاغہ، ج۲، ص۵۲۔۵۱

روز جمعہ میں گھر سے نکلا تو کیا دیکھا کہ مدینہ کی گلیوں میں لوگوں کا سیلاب امڈ آیا ہے میں نے پوچھا کہ، کیا ہوا؟ تو لوگوں نے بتایا کہ سید المسلمین ابی ابن کعب کا انتقال ہو گیا۔ (۱)

ابن سعد راوی ہیں کہ خدا قسم میں اخفاء راز میں اس دن جیسا دن نہیں دیکھا جیسا اس شخص نے راز کو چھپایا تھا۔ (۲)

حاکم کی روایت ہے کہ ابی بن کعب نے کہا کہ اگر میں اس جمعہ تک زندہ رہا تو وہ بات بتاؤں گا جو رسول اکرمؐ سے سنا ہے اور اس کو بتانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کروں گا۔ (۳)

مشہور مورخ یعقوبی کہتے ہیں کہ مہاجرین وانصار میں بہت سارے افراد نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور علی کی طرف مائل ہوئے من جملہ عباس بن عبد المطلب، فضل بن عباس، زبیر بن العوام، خالد بن سعید، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، براء بن عازب، ابی بن کعب۔ (۴)

شاید اسی کے سبب بعض محققین اور مستشرقین کا خیال خام ہے کہ سقیفہ کے حادثہ کے بعد تشیع وجود میں آئی ہے، مغربی مورخ گولڈ شیارڈ کہتا ہے کہ خلافت کی مشکل کے وقت بزرگ اصحاب کے درمیان اس فرقہ (شیعیت) نے وجود پایا، اور اس گروہ نے خلفاء ثلاثہ ابوبکر، عمر، عثمان، کے انتخاب کی ملامت کی، جو کہ خاندان رسالت سے کسی قسم کی کوئی قربت نہیں رکھتے تھے اور اسی سبب اس گروہ

---

(۱) سیر اعلام النبلاء، ج۱،ص۳۹۹

(۲) طبقات الکبری، ج۳،ص۵۰۱

(۳) المستدرک، ج۳،ص۳۰۵

(۴) تاریخ یعقوبی، ج۲،ص۱۲۴

نے حضرت علیؑ کو اس خلافت کے لائق جانتے ہوئے ان کو صاحب فضیلت جانا اور علی کو رسولؐ کے قریب ترین لوگوں میں شمار کیا اور جو چیز اس میں مزید فضیلت کا سبب بنی وہ دختر رسولؐ حضرت فاطمہ کا شوہر ہونا تھا اور اس گروہ کو سنہری موقع نہ مل سکا جس میں اپنی بات ببانگ دہل کہہ سکیں۔(۱)

خالد بن سعید بن العاص کو رسول اکرمؐ نے کسی کام کے لئے بھیجا تھا جب رسول کی وفات ہوگئی اور لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی تو اس وقت واپس آیا جب اس سے بیعت طلب کی گئی تو اس نے انکار کر دیا۔

عمر نے کہا: چھوڑ دو میں اس کو دیکھ لیتا ہوں۔

ابوبکر نے ان کو روکا، اسی طرح ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔

ابوبکر جا رہے تھے وہ اپنے دروازے پر بیٹھا تھا، خالد نے ابوبکر کو آواز دی، ابوبکر آپ کو بیعت چاہیئے؟

انھوں نے کہا: ہاں۔

اس نے کہا: آؤ، وہ آئے اور خالد نے ابوبکر کی بیعت اپنے دروازے پر بیٹھے بیٹھے کر لی۔(۲)

حضرت علیؑ کے طرفداروں کی یہ رسہ کشی ان دنوں تک چلی، جس دن تک عثمان کی زمامداری کا اعلان نہیں ہوگیا، جب تک عثمان کی تولیت کا اعلان ہوتا ان دنوں تک اصحاب علی کا موقف سب پر واضح ہوگیا تھا تیسرے دن جس دن تک عمر نے لوگوں کو مشورہ کی اجازت دی تھی وہ آخری دن تھا۔

عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا: اے لوگو! مجھے ان دو لوگوں یعنی عثمان و علی کے بارے میں مشورہ دو۔

....

(۱) العقیدۃ والشریعۃ فی الاسلام، ص ۱۸۶، فجر الاسلام، احمد امین، ص ۲۶۶

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۶، ص ۴۱

عمار بن یاسر نے کہا: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ لوگوں کا اختلاف نہ ہو تو علیؑ کی بیعت کرو۔

مقداد نے کہا: سلمان سچ کہتے ہیں اگر تم نے علیؑ کی بیعت کی تو ہم بسر و چشم اس امر میں تمہاری اتباع کریں گے۔

عبداللہ بن ابی سرح (۱) نے کہا: اگر تم چاہتے ہو کہ قریش اختلاف رائے نہ کریں تو عثمان کی بیعت کرو۔

عبداللہ بن ربیعہ مخزومی نے کہا: اس نے سچ کہا اگر تم نے عثمان کی بیعت کی تو یہ تمہارے ساتھ ہیں۔

عمار بن یاسر نے ابن ابی سرح کو بہت برا بھلا کہا اور کہا کہ تو کب سے اسلام کا خیر خواہ ہو گیا؟

بنی ہاشم اور بنی امیہ میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں تو عمار کھڑے ہوئے اور کہا: اے لوگو! خدا نے تم کو اپنے نبی کے ذریعہ سرفراز کیا اپنے دین کے سبب تم کو صاحب عزت بنایا آخر کب تک تم مسئلہ خلافت میں اہل بیت سے روگردانی کرتے رہو گے۔

---

(۱) ابن عبدالبر عبداللہ ابن ابی سرح کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لایا تھا اور ہجرت کر گیا تھا اور رسول کے پاس وحی کی کتابت کرتا تھا پھر مرتد ہو گیا اور مشرک ہو گیا اور قریش مکہ کے پاس رہنے لگا اور کہتا پھرتا تھا کہ میں جیسے چاہتا تھا ویسے محمد کو گھما دیتا تھا علی (عزیز حکیم) لکھتے تھے تو میں نے کہا یا (علیم حکیم) تو انھوں نے کہا کہ دونوں صحیح ہے۔ فتح مکہ کے وقت رسولؐ نے اس کے قتل کا فرمان جاری کیا اور فرمایا تھا کہ اگر کعبہ کے پردے کے پیچھے بھی چھپے تو بھی قتل کر دو، کیونکہ اس نے عبداللہ بن خطل، مقیس بن حبابہ کو قتل کیا تھا یہ وہاں سے بھاگا اور عثمان کے پاس جا کر پناہ لی۔ یہ عثمان کا رضاعی بھائی تھا عثمان کو اس کی ماں نے دودھ پلایا تھا، عثمان نے اس کو چھپا دیا اور جب مکہ کی فضا پر امن ہو گئی تو عثمان رسولؐ کے پاس لیکر آئے اور اس کی امان چاہی، رسولؐ بہت دیر تک خاموش رہے اس کے بعد کہا: ''بہتر ہے'' جب عثمان چلے گئے تو رسولؐ نے موجودہ لوگوں سے کہا کہ میں صرف اس لئے خاموش ہو گیا تھا کہ اتنے میں ایک شخص اس کی گردن اڑا دے انصار میں سے ایک نے کہا: آپ نے اشارہ نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: یہ رسالت کے شایان شان نہیں۔
استیعاب، ج ۳، ص ۵۰، رقم ۱۵۷۱

بنی مخزوم سے ایک شخص نے کہا کہ اے فرزند سمیہ! تم اپنی حد سے باہر نکل گئے ہو تم کون ہوتے ہو جو قریش کو اپنے میں سے اپنا حاکم معین کرنے سے روکو۔

سعد نے کہا: اے عبدالرحمٰن! اپنے کام کر گذرو، اس سے پہلے کہ لوگوں میں فتنہ برپا ہو جائے، اس وقت عبدالرحمٰن نے حضرت علیؑ کے سامنے شیخین (ابوبکر و عمر) کی پیروی کی تجویز رکھی تو آپؑ نے فرمایا: کہ میں اپنے ذاتی فیصلہ پر عمل کروں گا (ان دونوں کی اتباع نہیں کروں گا) جب عثمان کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو انھوں نے قبول کر لی اور ان کی بیعت کر لی گئی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: یہ پہلا دن نہیں ہے جب تم لوگ ہمارے خلاف اکٹھے ہوئے ہو لہذا میرا راستہ صبر جمیل کا ہے اور اللہ تمہارے بیان کے مقابلہ میں میرا مددگار ہے بخدا تم نے خلافت ان کے حوالے اسی لئے کی تھی تاکہ وہ اس کو تمہارے حوالہ کر دیں، اور خدا ہر روز ایک نئی شان والا ہے۔

عبدالرحمٰن نے کہا: اے علیؑ! ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریئے گا وہ اس بات کا ارادہ کئے تھا کہ عمر ابوطلحہ کو حکم دے تاکہ اپنے مخالف کی گردن اڑا دیں، اتنے میں حضرت علیؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہتے ہوئے نکل آئے کہ عنقریب مقررہ مدت پوری ہو جائے گی۔

عمار نے کہا: اے عبدالرحمٰن! خدا کی قسم تم نے اس ذات کا ساتھ چھوڑا ہے جو حق کے ساتھ بہترین فیصلہ کرنے والا تھا اور معاملات میں حق و انصاف سے کام لیتا تھا۔

مقداد نے کہا: خدا کی قسم اہل بیت رسولؐ میں رسول کے بعد اس شخص کے مثل کسی کو نہیں پایا۔ قریش پر تعجب کا مقام ہے! کہ انھوں نے اس شخص کو چھوڑ دیا جس سے بہتر کسی کو عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے والا، اعلم اور متقی میں نہیں جانتا، خدا کی قسم اے کاش میرا کوئی مددگار ہوتا۔(۱)

عبدالرحمٰن نے کہا: اے مقداد! تقویٰ الٰہی اختیار کرو مجھے خوف ہے کہ تمہارے خلاف فتنہ نہ برپا ہو جائے۔

(۱) شرح نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۱۹۴-۱۹۳

جب عثمان کی تولیت کا مسئلہ ختم ہوگیا تو دوسرے دن مقداد نکلے اور عبدالرحمٰن بن عوف سے ملاقات ہوگئی تو اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اگر تو نے رضایت پروردگار کی خاطر یہ کام انجام دیا ہے تو خدا تجھ کو اجر دے اور اگر حصول دنیا کی خاطر یہ ڈھونگ رچایا ہے تو خدا تیرے مال دنیا میں بہتات کرے۔

عبدالرحمٰن نے کہا: سنو! خدا تم پر رحمت نازل کرے، سنو! مقداد نے کہا: میں بالکل نہیں سنوں گا اور اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا، اور وہاں سے حضرت علیؑ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ قیام کریئے ہم آپ کے شانہ بشانہ رہیں گے۔

حضرت امیرؑ نے فرمایا: ''کس کے ساتھ مل کر جنگ کریں؟''

عمار یاسر آئے اور آواز دی کہ: اے لوگو! اسلام کا فاتحہ پڑھو، کیونکہ نیکیاں ختم ہوگئیں اور منکرات جنم لے چکے ہیں۔

خدا کی قسم اگر میرے مددگار ہوئے تو ان سب سے جنگ کرتا، خدا کی قسم اگر کوئی ایک بھی ان سے جنگ کرنے کو تیار ہو تو میں اس کی دوسری فرد ہوں گا۔

اس وقت حضرت امیرؑ نے فرمایا: اے ابوالیقطان! خدا کی قسم ان لوگوں کے خلاف میں اپنا مددگار نہیں پا رہا ہوں میں نہیں چاہتا کہ تم لوگوں پر اس چیز کو تحمیل کروں جس کی تم لوگ طاقت نہیں رکھتے۔(۱)

یہاں سے علیؑ کے چاہنے والوں کی اکثریت میں اضافہ ہونے لگا بلکہ بسا اوقات تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حق کو آزاد کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں ان سب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔

اگر حضرت امیرؑ ان افراد کی باتوں کو مان لیتے تو حکومت ہاتھ آجاتی، لیکن حضرت کی دوررس نگاہیں ان خطرات پر تھیں جو ان کے بعد سر اٹھاتے اور خط خلافت کے راہروں کے دلوں سے خوب

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۹، ص ۵۵

واقف تھے وہ لوگ ذکر مولائے کائنات کے سبب اکثریت کا اندازہ لگا رہے تھے اور اس بات کی وضاحت جندب بن عبداللہ ازدی کی اس روایت سے ہوجائے گی۔

جندب کہتے ہیں: کہ میں مسجد رسولؐ میں داخل ہوا تو کیا دیکھا ایک شخص زانو کے بل بیٹھا ہے اور ایسے فریاد کر رہا ہے جیسے اس کی دنیا لٹ گئی ہو اور کہتا جاتا ہے کہ تعجب ہے قریش پر کہ انھوں نے اہلبیت رسولؐ سے خلافت رسول کو دور کر دیا جبکہ اہلبیت رسولؐ میں وہ شخص موجود ہے جو اول المومنین، رسول کا چچازاد بھائی، سب سے بڑا عالم، دین الٰہی کا فقیہ اعظم، اسلام کا ان داتا، راہوں کا واقف، صراط مستقیم کا ہادی ہے، قریش نے خلافت کو ہادی، رہبر، طاہر، نقی سے دور کرلیا ان لوگوں نے امت کی اصلاح کی فکر نہیں کی اور نہ ہی مذہب کا بھلا چاہا، بلکہ ان لوگوں نے دنیا کو مقدم کر کے آخرت کو پس پشت ڈال دیا، خدا قوم ظالمین کو اپنی نعمتوں سے دور رکھے۔

میں تھوڑا اس کے قریب گیا اور کہا کہ خدا تم پر رحمت نازل کرے تم کون ہو؟ اور یہ شخص کون ہے؟ اس شخص نے کہا: میں مقداد بن عمرو اور یہ علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

جندب کہتے ہیں، میں نے کہا: تم اس امر کے لئے قیام کرو تا کہ میں تمہاری مدد کرسکوں؟ اس شخص نے کہا: اے میرے بھتیجے یہ ایک یا دو آدمیوں کا کام نہیں ہے، میں نکل کر باہر آیا اور ابوذر سے ملاقات ہوئی میں نے سارا ماجرا بیان کیا، تو انھوں نے کہا: بھائی مقداد نے سچ کہا ہے۔

پھر میں عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور سارا ماجرا بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ مقداد ہم کو بتا چکے ہیں اور ہم نے اس کوشش میں کوتاہی نہیں کی۔(۱)

ابن ابی الحدید نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ اس روایت کو بیان کیا ہے۔(۲)

....

(۱) تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۵۷

(۲) شرح نہج البلاغہ، ج)، ص۵۸۔۵۷

خلافت عثمان میں اس کے بعد بہت سارے واقعات رونما ہوئے جو لوگوں کی ناراضگی کا سبب بنے اور نئی حقیقتوں کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور عثمانی سیاست کے خلاف یہ اختلاف شروع ہوا اور بڑھتے بڑھتے ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا اور لوگوں کو اس بات کا احساس ہو گیا جو خطا انھوں نے حضرت علیؑ کے حق میں کی تھی۔

اور اس راہ میں لوگوں نے اس بات کو درک کیا کہ علی اور اہلبیت سے روگردانی کے بہت گہرے نتیجے نکلے۔

علیؑ کے ابتدائی شیعہ، عمار، ابن مسعود، ابوذر غفاری، راہ راست کے قیام اور حق کو اصلی مرکز تک پلٹانے میں پیش پیش تھے اور ان کی دعوت پر ایک کثیر تعداد گوش بر آواز ہوگئی اور بہت تیزی کے ساتھ کلامی رد و بدل اسلحہ کی صورت میں خلیفۂ ثالث کے خلاف تبدیل ہوگئی۔

حذیفۂ یمانی جو کہ علیؑ کے پہلے درجہ کے شیعہ تھے وہ بستر موت پر تھے، جب ان سے خلافت کے حوالے سے سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ عمار کی پیروی کرنا۔

لوگوں نے کہا: وہ علیؑ سے جدا نہیں ہوئے۔

حذیفہ نے کہا: حسد جسم کو ہلاک کر دیتا ہے! علیؑ سے قربت کے سبب تم لوگوں کو عمار سے نفرت ہے، خدا کی قسم عمار سے علیؑ افضل ہیں مٹی اور بادل میں کتنا فرق ہے عمار احباب میں سے ہیں۔

حذیفہ جانتے تھے کہ اگر وہ لوگ عمار کے ساتھ رہیں گے تو وہ علیؑ کے ساتھ تو ہیں ہی۔(۱)

جب حذیفہ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت (ذی قار نامی مقام پر) پہنچ گئے ہیں اور لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کر رہے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو طلب کیا اور ان کو ذکر خدا، زہد دنیا اور آخرت کی طرف رغبت کی دعوت دی اور کہا کہ امیر المومنین جو کہ سید المرسلین کے وصی ہیں ان سے ملحق ہو جاؤ اور حق

---

(۱) مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۲۴۳، پر کہا ہے کہ اس کو طبرانی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے روائی ثقہ ہیں۔

یہی ہے کہ ان کی مدد کرو۔(۱)

حذیفہ فتنہ کے خطرہ سے خائف تھے اور لوگوں کو حضرت کی ولایت کی دعوت دے رہے تھے جن دنوں شیعیان علی کو دعوت دی جارہی تھی اور یہ بات کہی کہ جو گروہ علی کی ولایت کی دعوت دے اس گروہ سے متمسک ہوجاؤ کیونکہ وہ حق اور راہ ہدایت پر ہیں۔(۲)

ابوذر مسجد میں بیٹھ کر کہا کرتے تھے کہ، محمد علم آدم اور انبیاء کے جملہ فضائل کے وارث ہیں اور علی ابن ابی طالب وصی محمد اور وارث علم محمد ہیں، اے نبی کے بعد سرگرداں امت! اگر تم لوگوں نے اس کو مقدم کیا ہوتا جس کو خدا نے مقدم کیا اور اس کو مؤخر کیا ہوتا جس کو خدا نے مؤخر کیا اور اہل بیت رسول کی ولایت و وراثت کا اقرار کیا ہوتا تو ہر طرف و ہر طرح سے خوشحال رہتے، ولی خدا اپنے حق سے محروم نہ رہتا، نیز واجبات الٰہی پر عمل ہوتا اور کوئی دو فرد بھی نہ ملتے جو حکم الٰہی میں اختلاف نظر رکھتے اور اہلبیت کے پاس تم کو قرآن وسنت کا علم مل جاتا، مگر جو تم لوگوں نے کیا سو کیا، اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتو، عنقریب ظالمین کو معلوم ہوجائے گا کہ وہ کس صورت میں پلٹائے جائیں گے۔(۳)

عدی بن حاتم کہتے تھے کہ، خدا کی قسم اگر علم کتاب (قرآن) اور سنت نبوی کی بات ہے تو وہ یعنی علیؑ تم لوگوں میں ان دونوں کے بہترین عالم ہیں، اگر اسلام کی بات ہے تو یہ رسول کے بھائی اور مرکز اسلام ہیں اگر زہد و عبادت محور ہے تو لوگوں میں ان کا زہد نمایاں اور عبادت آشکار ہے، اگر عقل اور مزاج معیار ہے تو لوگوں میں عقل کل اور مزاج کے اعتبار سے کریم النفس انسان ہیں۔(۴)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۱۸۸۔۱۸۷

(۲) مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۲۳۶، پر کہا ہے کہ اس کو بزار نے روایت کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، فتح الباری، ج ۳، ص ۲۵

(۳) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۶۸۔۶۷

(۴) جمہرۃ الخطب، ج ۱، ص ۳۷۹۔۲۶۷

بیعت کے بعد

وہ اصحاب جو حضرت علیؑ کے خط تشیع پر گامزن تھے وہ پیغام جاری وساری اور بڑھتا جار ہا تھا اور روز بروز اس کے دائرۂ اطاعت میں وسعت آتی جارہی تھی اس میں اصحاب وتابعین شامل ہو رہے تھے، لہٰذا ہم حضرت علیؑ کے روز بیعت، مالک اشتر کو یہ کہتے ہوئے نہیں بھول سکتے کہ، اے لوگو! یہ وصی اوصیاء، وارث علم انبیاء، عظیم تجربہ کار، بہترین دین داتا، جس کے ایمان کی گواہی کتاب نے دی اور رسولؐ نے جنت کی بشارت دی، جس پر فضائل ختم ہیں، متقدمین و موخرین نے ان کے علم، فضل اور اسلام میں سبقت پر شک نہیں کیا۔

مالک اشتر نے اہل کوفہ کی نیابت میں حضرت علیؑ کی بیعت کی، طلحہ و زبیر نے مہاجرین و انصار کی نیابت میں بیعت کی، ابوالھیثم بن تیہان، عقبہ بن عمرو اور ابوایوب نے مل کر کہا: ہم آپ کی بیعت اس حال میں کر رہے ہیں کہ انصار و قریش کی بیعت ہماری گردنوں پر ہے (ہم ان کی نمائندگی کر رہے ہیں)۔

انصار کا ایک گروہ اٹھا اور گویا ہوا، ان میں سب سے پہلے ثابت بن قیس بن شماس انصاری جو کہ رسول کے خطیب تھے کھڑے ہوئے اور کہا کہ: خدا کی قسم اے امیر المومنین! اگر چہ انھوں نے آپ پر خلافت میں سبقت حاصل کر لی، لیکن دین الٰہی میں پہل نہ کر سکے گو کہ انھوں نے کل آپ پر سبقت حاصل کر لی، لیکن آج آپ کو ظاہری حق مل گیا، وہ لوگ تھے اور آپ تھے لیکن کسی پر بھی آپ کا مقام پنہاں نہیں تھا، وہ جس کا علم نہیں رکھتے تھے اس میں آپ کے محتاج تھے، اور آپ اپنے بے کراں علم کے سبب کبھی کسی کے محتاج نہیں رہے۔

اس کے بعد خزیمہ بن ثابت انصاری ذوالشہادتین (جن کی ایک گواہی دو کے برابر رسول خداؐ نے قرار دی تھی) کھڑے ہوئے اور عرض کی: یا امیر المومنین ہم نے خلافت کو آپ کے علاوہ کسی کے

حوالے سے قبول نہیں کیا، آپ کے سوا کسی کے پاس نہیں گئے، اگر ہم سچے ہیں تو آپ ہماری نیتوں سے بخوبی واقف ہیں، آپ لوگوں میں ایمان پر سبقت رکھتے ہیں، احکام الٰہی کے سب سے بڑے عالم ہیں، رسول خدا کے بعد مومنین کے مولا ہیں، جو آپ ہیں وہ، وہ کہاں! اور جو وہ ہیں، وہ آپ جیسے کہاں!

صعصعۃ بن صوحان کھڑے ہوئے اور عرض کی: خدا کی قسم اے امیر المومنین! آپ نے خلافت کو زینت بخشی ہے خلافت نے آپ کی زینت میں کوئی اضافہ نہیں کیا، آپ نے خلافت کو بلندی عطا کی اس نے آپ کو رفعت نہیں دی، یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ خلافت آپ کی محتاج ہے۔(۱)

پُر پیچ راہ!

عثمان کے روح فرسا دوران خلافت کے اختتام کے بعد شیعیان علیؑ کے عروج کا زمانہ تھا، لوگوں کی ہجومی اور ازدحامی بیعت نے حضرت علیؑ کو سریر آراء سلطنت کیا اور زمام حکومت آپ کے سپرد کی، جس کی منظر کشی خود امیر المومنین نے یوں کی ہے "لوگوں کا ازدحام مجھ پر ایسے ٹوٹ پڑا جیسے پیاسے اونٹ کا غول گھاٹ پر ٹوٹ پڑتا ہے گویا ان کے چرواہے نے ان کو آزاد اور بے مہار چھوڑ دیا ہو لگتا تھا کہ یہ بھیڑ مجھے یا میرے کسی فرزند کو ختم کر ڈالے گی۔(۲)

مگر اس محبت کا دکھاوا اس وقت بالکل بدل گیا جب بعض اصحاب نے حضرت علیؑ سے گفتگو کی اور علیؑ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ ہم قانون حکومت کو فرمان رسولؐ کے مثل بنانا چاہتے ہیں یعنی سب لوگ عطا و بخشش میں مساوی ہیں اور کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھتے، اور یہ وہی کیفیت تھی جس کی بنیاد عمر

....

(۱) تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۷۵

(۲) شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، ج۴، ص۶

نے رکھی تھی اور یکسر بدل ڈالا تھا اور عثمان نے آ کر من وعن اس کی پیروی کی تھی خاص طور سے عثمان کے وہ اہلکار جو بداخلاقی کے شکار تھے ان کی معزولی (ایک اہم مسئلہ تھا) لہذا تنور جنگ بھڑک اٹھا اور حضرت کی خلافت کے آخری لمحات تک جو تقریباً پانچ برسوں پر مشتمل تھا شعلہ ور رہا۔

اور یہ پیس دینے والی جنگوں کی خلیج، جمل وصفین کے دنوں تک باقی رہی اور ان جنگوں نے اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا حضرت کے مخلص اور صحیح عقیدے کے شیعہ صرف انگشت شمار ہی رہ گئے، صرف تھوڑے سے افراد کے سوا سب حالات کے تیز دھارے میں بہہ گئے، اور حالات بہت ہی غیر مساعد ہو گئے اور جو بچ گئے ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی جو اتباع و پیروی و اخلاص میں کھرے اتریں، جنگ نے ان سب کو بدبین کر دیا تھا، جس کے سبب جنگ بندی کی پہلی دھوکہ باز آواز پر ان لوگوں نے لبیک کہا (اور جنگ بند کر دی) جب امیر المومنینؑ نے اس سازش کا پردہ چاک کر کے ان کو ان کے ارادوں سے باز رکھنا چاہا، تو ان لوگوں نے مخالفت کی اس حد پر قدم رکھ دیا تھا کہ حضرت علیؑ کے قتل، یا دشمن کے سپرد کرنے کی دھمکی تک دے دی تھی، ان کی نیتوں کے پیش نظر عقب نشینی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، کیا یہ لوگوں کے روگردانی کی انتہا نہ تھی۔

کیونکہ انھوں نے واقعہ تحکیم کے سلسلہ میں بہت جلد ندامت و خطا کا اظہار کیا تھا اور اکثریت کی بقاء پر اس امر کا علاج سوچا اور اپنے نفسوں سے کیئے وعدہ کی وفا چاہی یعنی جنگ میں واپسی، ان افراد کی گرگٹ کے مانند آراء کی تبدیلی، اس بات کی غماز ہے کہ یہ لوگ صاحبان بصیرت نہیں تھے اور نہ ہی حضرت علی کے شیعہ تھے بلکہ انھوں نے علی کی شیعیت کا خول چڑھا رکھا تھا اور ان کے عقیدوں میں کسی قسم کی پختگی نہیں تھی اور ان کی یہ حرکتیں اجتہادی اصحاب کی راہ و روش کی مکمل پیروی تھی، جو اولی الامر حضرات کے حکم کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے تھے اور اس اجتہادی اسلحہ کی ضرب اتنی کاری تھی کہ ذات رسالت کے حکم کا انکار ممکن بنا ڈالا۔

اس باغی گروہ کی سرکشی، مزید پیچیدہ ہوگئی جب خود امیر المومنینؑ کو اسی دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیا کہ آپ ان مخالفین سے جنگوں کا سلسلہ شروع کریں جنھوں نے کچھ علاقوں میں فساد مچا رکھا تھا اور بے گناہوں کو قتل کیا تھا۔

اور نتیجہ اس وقت زیادہ ہی جان لیوا ہوگیا کیونکہ اس جنگ نے آپ کے چاہنے والوں کی قوت کو مضمحل کر دیا اور روز بروز وہ سستی و تساہلی کے شکار ہونے لگے اور جہاد کی جانب امیر المومنین کا رغبت دلانا بے سود ہوگیا، جو لوگ آپ کے خاص شیعہ بچ رہے تھے ان کے ارادوں کے تجدید کی ضرورت تھی، اور اس وقت تو قیامت کبریٰ ٹوٹ پڑی جب ایک جہنمی نے آپؑ کو عبادت کی حالت میں محراب میں شہید کر دیا...

تا کہ خالص شیعہ کے تربیتی مرکز کو ختم کر سکیں. اس سبب آپ کے بڑے فرزند حضرت حسن مجتبیٰؑ کے پاس ان کے دور حکومت میں قیام کے اس عظیم بوجھ کو اٹھانے کے لئے کوئی سہارا نہیں تھا۔

صحیح اور راسخ عقیدوں کے مالک افراد کا بالکل فقدان تھا نیز بچے ہوئے افراد کی اکثریت نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا، لہٰذا حسن مجتبیٰؑ نے جب یہ درک کر لیا کہ اس کیفیت میں اور ان لوگوں کی ہمراہی میں جنگ کو طول دینا معقول نہیں تو ان کے پاس معاویہ ابن ابی سفیان سے صلح کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔

معاویہ کے زمام حکومت سنبھالنے کے سبب تشیع بہت ہی اختناقی دور میں داخل ہوگئی، اب معاویہ نے شیعوں کو ظلم کی آخری حدوں سے کچلنے اور انتقام کی صورت شروع کر دی، اور شیعوں کے بہت تھوڑے سے افراد کے سوا کوئی نہیں بچا، معاویہ نے حجر بن عدی جیسے اور ان کے ساتھیوں کو تراش ڈالا اور قتل کر ڈالا، اپنے بیس سالہ دور حکومت میں بقیہ افراد پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، اور اذیت کی تمام صورتوں کو ان پر روا جانا۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے مدائنی کی ''الاحداث'' نامی کتاب سے یوں نقل کیا ہے کہ: معاویہ نے ۴۱ھ میں اپنے اہلکاروں اور گماشتوں کو یہ لکھ بھیجا کہ ابوتراب اور ان کے گھرانے کے جو فضائل ہیں میں ان سے بری و منکر ہوں، یہ پیغام پاتے ہی ہر شہر و گوشہ و کنار میں ہر منبر پر زبان دراز خطیب چڑھ دوڑے اور علی اور ان کی آل پاک پر لعن و طعن شروع کر دیا، اس دوران سب سے زیادہ روح فرسا حالات سے اہل کوفہ گذر رہے تھے۔

کیونکہ یہ آپ کے شیعوں کا مرکز تھا، ان پر زیاد بن سمیہ کو مامور کر دیا اور بصرہ کی حکومت کو اس سے ضم کر دیا، اس نے شیعوں کی چھان بین شروع کر دی. یہ علیؑ کے شیعوں سے بخوبی واقف تھا کیونکہ حضرت علیؑ کے دور خلافت میں ان لوگوں کے ساتھ رہ چکا تھا لہٰذا جس کو جہاں کہیں دشت و جبل میں پایا موت کے گھاٹ اتار دیا، ان کو ڈرایا دھمکایا، ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیے، آنکھیں پھوڑ دیں، کھجوروں پر سولی دی، عراق سے نکال باہر کیا، اس وقت کوئی بھی سرشناس افراد میں سے نہیں بچا۔

معاویہ نے اپنی حدود مملکت کے چار گوشوں میں یہ لکھ بھیجا کہ مبادا آل علی اور محبان علی کی گواہی کو قبول کیا جائے، عثمان کے چاہنے والوں اور ان کے فدائیوں کو سرآنکھوں پر بٹھاؤ، اور جو لوگ عثمان کے فضائل و مناقب کو بیان کرنے والے ہیں ان کو اپنی مجلسوں کی زینت بناؤ ان کو اہمیت دو، انعام و اکرام سے نوازو، اور ان افراد کی فہرست باپ اور قبیلوں کے نام کے ساتھ ہم تک ارسال کرو. یہ دھندا شروع ہوا اور دن ورات عثمان کے فضائل کی تخلیق شروع ہوگئی، کیونکہ معاویہ نے اپنے اہلکاروں کو آب و دانہ خیمہ و چادر، خراج (کی معافی) اور عرب میں اس کو اور اس کے خاندان والوں کو فوقیت کی لالچ دی تھی، لہٰذا ہر نگری میں یہ بدعت شروع ہوگئی گھر اور گھر کے باہر اس بدعتی آندھی کی مبالغہ آرائی شروع ہوگئی، اب کیا تھا معاویہ کے اہلکاروں میں، جس کسی کا نام عثمان کے قصیدہ خوانوں کی فہرست میں آجاتا اس کی کایا پلٹ جاتی، اس کا نام مصاحبوں میں شامل، تقرب و شفاعت میں

داخل، اور وہ سب اس میں داخل ہو گئے۔

اس کے بعد معاویہ نے دوسرا پلندہ تیار کیا اور اہلکاروں کو روانہ کیا کہ! عثمان کے فضائل قرب و جوار شہر و دیہات میں اٹے پڑے ہیں ''بس'' جیسے ہی میرا خط تم لوگوں کو ملے اصحاب اور گذشتہ دونوں خلیفہ (ابو بکر و عمر) کے فضائل کے لئے لوگوں کو تیار کر دو، اور کسی بھی شخص کو ابو تراب کی فضیلت میں حدیث نہ بیان کرنے دو، بلکہ اس حدیث کو اصحاب کی شان میں مڑھ دو، کیونکہ یہ فعل میرے نزدیک محبوب، میری آنکھوں کی ٹھنڈک، نیز ابو تراب اور ان کے شیعوں کو کچل دینے کا سامان ہے، معاویہ نے عثمان کی فضیلت و منقبت کے لئے ان لوگوں پر بہت زور دیا تھا۔

اس کا یہ پلندا لوگوں کے سامنے پڑھا گیا جس کے سبب اصحاب کی فضیلت میں فوراً سے پیشتر بہت ساری حدیثیں تخلیق کر دی گئیں جن کی کوئی حقیقت نہیں تھی اور لوگوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، یہاں تک کہ اس مہم میں منبروں کا دھڑلے سے استعمال کیا گیا، اور یہ ذمہ داری معلمین کے حوالے کر دی گئی، انھوں نے ان کے بچوں اور نوجوانوں کو کافی مقدار میں سکھایا اور قرآن کی مانند اس کی روایت اور تعلیم دی، حد یہ کہ ان کی لڑکیوں، عورتوں، خادموں اور ہرکاروں کو اس کی مکمل تعلیم دی گئی، اور ان لوگوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اس کے بعد حدود مملکت کے تمام شہروں کے لئے صرف ایک تحریر لکھی: ''دیکھو جس کے بھی خلاف یہ ثبوت مل جائے کہ یہ علی اور اولاد علی کا چاہنے والا ہے اس کا نام دفتر سے کاٹ دو اور وظیفہ بند کر دو''

اس کے ساتھ ایک ضمیمہ بھی تھا ''جس کسی کو بھی ان سے میل جول رکھتے پاؤ اس کی بیخ کنی کر دو اور اس کا گھر ڈھا دو''

اب اس سے زیادہ اور مشکل دور عراق میں نہیں آسکتا تھا خاص طور سے کوفہ میں، حد یہ کہ اگر

کسی شخص کے بارے میں مطمئن ہونا چاہتے تھے کہ یہ علی کا شیعہ ہے یا نہیں؟ تو اس کے گھر میں جاسوس کو چھوڑ دیتے تھے، وہ شخص اپنے غلام و خادم سے ڈرتا تھا جب تک اس سے مطمئن نہیں ہو جاتا تھا کسی قسم کے راز کی بات نہیں کرتا تھا۔

من گڑھت حدیثوں کی بھرمار اور الزامات کی بارش ہوگئی اور اس (جرم) میں فقیہوں، قاضیوں اور امیروں کے ہاتھ رنگین تھے۔

سب سے بڑی مصیبت تو یہ تھی کہ جو قاریان قرآن اور روادیان حدیث تھے اور وہ لوگ جو تقوئی و زہد کا اظہار کرتے تھے، انھوں نے بھی حدیث کی تخلیق میں خاطر خواہ حصہ لیا تاکہ امیر شہر کی نگاہوں میں باوقار اور ان کی نشستوں میں مقرب، مال و دولت کے حصہ دار اور مکانوں کے مالک بن جائیں، حد یہ کہ یہ خودساختہ حدیثیں جب ان متدین افراد کے ہاتھوں پہنچیں جو جھوٹ اور بہتان کو حرام گردانتے تھے تو انھوں نے بے چوں و چرا ان کو قبول کر لیں اور ان کو حق اور سچ سمجھتے ہوئے دوسروں سے نقل بھی کیں، اگر وہ یہ جانتے کہ یہ باطل ہیں تو نہ ہی اس کو نقل کرتے اور نہ ہی اس کی حفاظت کرتے۔

یہ سلسلہ حضرت حسن مجتبیٰ کی شہادت تک چلتا رہا، ان کے بعد تو فتنہ و بلا میں اضافہ ہوتا گیا اور علی کے حامیوں میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو اپنے جان و مال اور شہر بدر ہونے سے خائف نہ ہو۔

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد حالات نے دوسرا رخ اختیار کر لیا اور عبدالملک بن مروان امیر بنا اس نے شیعوں پر سختی شروع کر دی اور حجاج بن یوسف ثقفی کو ان پر مسلط کر دیا، بس کیا تھا زہد کے ڈھونگی، اصلاح و دین کے بہروپیئے، علی کے بغض اور دشمنان علی کی محبت، اور عوام میں جو بھی یہ دعویٰ کرتا کہ ہم بھی علی کے دشمن ہیں ان سے دوستی کے سبب مقرب بارگاہ ہو گئے، اور شہ کی مصاحبی پر اترانے لگے، اس کے بعد خاندان بنی امیہ کے گرگوں کی ثنا خوانی، فضائل بیانی اور یاد ماضی کی

روایتوں میں اضافہ شروع ہو گیا، دوسری طرف حضرت علی کی ہجو، عیب تراشی اور طعن و تشنیع کا دروازہ کھلا رہا۔

ایک شخص حجاج بن یوسف کے سامنے آ کے کھڑا ہوا، کہا جاتا ہے کہ اصمعی عبد الملک بن قریب کا دادا تھا، وہ چیخا، اے امیر! میرے گھر والوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور مجھے علی کہہ کر پکارتے ہیں میں مجبور ولاچار شخص ہوں، میں امیر کی عنایتوں کا محتاج ہوں، حجاج اس پر بہت ہنسا اور بولا کہ: تمہارے اس توسل حاصل کرنے کے لطف میں تم کو فلاں جگہ کا حاکم بناتا ہوں۔

ابن عرفہ جو کہ نفطویہ کے نام سے مشہور ہیں اور بزرگ محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے اس خبر سے متعلق تاریخ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ: اصحاب کی شان میں گڑھی جانے والی اکثر حدیثیں بنی امیہ کے دور حکومت کی ہیں ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تخلیق کی گئیں ہیں کیونکہ فرزندان امیہ یہ سوچ رہے تھے کہ اس کے سبب بنی ہاشم کو ذلیل کر دیں گے۔(۱)

جیسا کہ ابن ابی الحدید نے دوسری روایت حضرت امام باقرؑ سے روایت کی ہے: جو اسی معنی کی عکاسی کرتی ہے، آپؑ نے اپنے کچھ اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا: اے فلاں! قریش نے ہم پر کیا کیا مصیبتیں نہیں ڈھائیں اور ہمارے شیعوں نے کیسے کیسے ظلم نہیں برداشت کیے۔

لوگوں سے رسول اللہؐ نے قبض روح کے وقت فرمایا تھا: ''ہم (اہل بیت) لوگوں میں سب سے برتر ہیں'' قریش نے ہم سے روگردانی کر لی یہاں تک کہ خلافت اپنے محور سے ہٹ گئی اور انصار کے مقابل ہمارے حق و حجت پر احتجاج کیا، اس کے بعد قریش ایک کے بعد دوسرے کی طرف اس کو لڑھکاتے رہے یہاں تک کہ ایک بار پھر ہم تک واپس آئی پھر ہماری بیعت توڑ دی گئی، ہمارے خلاف علم جنگ بلند کر دیا گیا اور اس خلافت کا مالک و پیشوا مشکلات و پریشانیوں میں گھٹتا رہا یہاں تک کہ

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ج ۱۱، ص ۴۴، ۴۶۔ وہ تکالیف اور مشکلات جو آل بیت کی زندگی کا حصہ بن گئیں۔

شہادت اس کا مقدر بن گئی، پھر ان کے فرزند حسن کی بیعت کی گئی اور عہد و پیمان کئے گئے لیکن ان کے ساتھ عہد شکنی کی اور ان کو تسلیم کرادیا گیا۔

اہل عراق نے ان کے خلاف بغاوت کی اور خنجر کا وار کیا، ان کا لشکر تتر بتر ہوگیا، ان کی اولاد کی ماؤوں کے زیورات چھین لئے گئے۔

جب معاویہ سے صلح کی تو حسنؑ اور ان کے فرزندوں کا خون محفوظ ہوا، ان کی تعداد بہت ہی کم تھی اس کے بعد اہل عراق نے حسین کی بیس ہزار کی تعداد میں بیعت کی، لیکن اپنی بیعتوں سے منحرف ہوگئے اور ان کے خلاف نکل پڑے جب کہ ان کی گردنوں میں حسین کی بیعت کا قلادہ پڑا تھا۔

پھر بھی حسین کو شہید کر ڈالا اس کے بعد ہم اہلبیت ہمیشہ پستے رہے اور رسوا ہوتے رہے ہم دور، امتحان میں مبتلا، محروم و مقتول، خوف زدہ، ہمارا اور ہمارے محبوں کا خون محفوظ نہیں رہا، دروغ بافوں اور ملحدوں نے جھوٹ اور الحاد کے سبب اپنے امیروں، شہر کے بدکردار قاضیوں اور بد دین اہلکاروں کی قربت حاصل کی، انھوں نے جھوٹی اور من گڑھت حدیثوں کا جال بنا، اور ہماری طرف ان چیزوں کی نسبت دی جن کو نہ ہم نے کہا تھا اور نہ ہی انجام دیا تھا یہ سب، صرف لوگوں کو ہمارا دشمن بنانے کے لئے کیا گیا، اور سب سے بڑا اور برا وقت حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کے بعد معاویہ کے دور خلافت میں آیا تھا، ہر شہر میں ہمارے شیعہ قتل کئے جا رہے تھے، صرف گمان کے سبب ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے گئے! جو کوئی بھی ہماری محبت یا تعلقات کا اظہار کرتا اس کو یا قید کر دیتے یا اس کا مال لوٹ لیتے یا اس کا گھر ویران کر دیتے، یہ کیفیت روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ قاتل حسینؑ، عبید اللہ بن زیاد کا زمانہ آیا، اس کے بعد حجاج آیا اس نے ہر طرف موت کا بازار گرم کر دیا، ہر گمان و شک کی بنیاد پر گرفتار کرا لیتا (زمانہ ایسا تھا کہ) اگر ایک شخص کو زندیق و کافر کہتے تو برداشت کر لیتا بجائے اس کے کہ اس کو علی کا شیعہ کہا جائے، حد یہ کہ وہ شخص جو کہ مستقل ذکر الٰہی کرتا تھا شاید سچا تقویٰ ہو، مگر وہ

عجیب وغریب حدیثوں کو گذشتہ حاکموں کی فضیلت میں بیان کرتا تھا جب کہ خدا نے ان میں سے کسی ایک شی ءکو خلق نہیں کیا تھا، اور نہ وجود میں آئی تھی وہ لوگوں کی کثرت روایت کو سبب حق سمجھتا تھا اور نہ ہی جھوٹ کا گمان تھا اور نہ ہی تقویٰ کی۔(۱)

یہ دونوں عظیم اور بھروسہ مند عبارتیں بنی امیہ کے دوران حکومت میں شیعوں کی حقیقی کیفیت کی عکاس ہیں، جبکہ اموی حکومت سوا سو سال (۱۲۵) پر محیط ہے، لیکن عباسی حکام نے آل محمد کی رضا کا ڈھونگ رچایا تھا اور ان کے فرزندوں کے دعویدار بن کر اموی حکومت کا تختہ پلٹ کر انقلاب لانا چاہا تھا لیکن انھوں نے چچازاد بھائی ہونے کے باوجود اہلبیتؑ کے ساتھ غداری کی۔

ہر چند کہ اموی عہد کے آخری ایام اور عباسی حکومت کے ابتدائی دنوں میں اہلبیتؑ اور ان کے شیعوں کے لئے تھوڑا سکون کا سانس لینے کا موقع ملا تھا، مگر عباسی خلفاء اس جانب بہت جلد متوجہ ہو گئے، خاص طور سے منصور کے زمانے میں تشیع کی مقبولیت اہلبیتؑ کے گرد حلقہ بنانے کے سبب تھی اور جب انھوں نے یہ محسوس کیا تو ابتدائی شعار کی خول اتار دیئے اور اموی ظالم وجابر حکومت کہ جس کو ظلم کے سبب ختم کیا تھا اس سے آگے نکل گئے اہلبیتؑ اور ان کے شیعوں پر سختی شروع کر دی، جس کے سبب گرد ونواح سے انقلاب کی آواز اٹھنے لگی جس میں علوی سادات کرام شریک کار تھے جن میں سے محمد بن عبد اللہ بن حسن بن علیؑ ملقب بہ نفس ذکیہ پیش پیش تھے جنھوں نے عباسی خلیفہ منصور کے نام ایک خط روانہ کیا تھا جس میں اس بات کا اشارہ تھا کہ تم لوگوں نے اہلبیتؑ سے قربت ثابت کر کے اموی حکومت کیسے ہتھیایا ہے اور حکومت ہاتھ آتے ہی ان کو برطرف کر دیا، وہ کہتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ یہ ہمارا حق ہے، تم نے اس کو ہمارے واسطہ سے حاصل کیا ہے اور ہمارے شیعوں کی مدد سے تم نے خروج کیا تھا ہماری فضیلت کے سبب اس کے حصہ دار بنے ہو، ہمارے باپ علیؑ (ابن ابی طالب) وصی اور

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۱ ص ۴۳

امام تھے ان کی اولادوں کے ہوتے ہوئے تم اس (خلافت) کے وارث کیوں کر بن بیٹھے، تم اس بات کو بخوبی جانتے ہو کہ اس کا حقدار ہمارے سوا کوئی نہیں کیونکہ حسب ونسب اور اجدادی شرف میں کوئی ایک بھی ہمارے ہم پلہ نہیں۔

ہم نہ ہی فرزندان لعنت خوردہ، نہ ہی شہر بدر اور نہ ہی آزاد شدہ ہیں، بنی ہاشم میں قرابت داری کے لحاظ سے ہم سے بہتر نہیں جو قرابت سابقۂ اسلامی اور فضل میں بہتر ہو، اللہ نے ہم میں سے اور ہم کو چنا ہے، محمدؐ ہمارے باپ اور نبیوں میں سے تھے، اور اسلاف میں علیؑ اول مسلمین ہیں، نبی کی ازواج میں سب سے افضل خدیجہ طاہرہ تھیں جنھوں نے سب سے پہلے قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کی، رسولؐ کی نیک دختر حضرت فاطمہ زہراؑ تھیں جو خواتین بہشت کی سردار ہیں، اسلام کے دو شریف مولود حسن وحسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔(۱)

جب منصور نفس ذکیہ کو گرفتار نہ کر سکا تو اس نے کینہ کے تیروں کا رخ ان کے خاندان اور اہل قبیلہ کی جانب کردی، منصور نے ان کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کو جاحظ نے یوں نقل کیا ہے:

منصور فرزندان حسن مجتبیٰؑ کو کوفہ لے گیا اور وہاں لے جا کر قصر ابن ہبیرہ میں قید کر دیا اور محمد بن ابراہیم بن حسن کو بلا کر کھڑا کیا اور ان کے گرد دیوار چنوادی اور اسی حال میں چھوڑ دیا یہاں تک وہ بھوک و پیاس کی شدت کے سبب جان بحق ہو گئے اس کے بعد ان کے ساتھ جو فرزندان حسن تھے ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا۔

ابراہیم الغمر بن حسن بن حسن بن علی ابن ابی طالبؑ کو زنجیروں میں جکڑ کر مدینہ سے انبار لے جایا گیا، اور وہ اپنے بھائیوں، عبداللہ اور حسن سے کہہ رہے تھے کہ ہم بنی امیہ کے خاتمہ کی تمنا کر رہے تھے اور بنی عباس کی آمد پر خوش ہو رہے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ہم اس حال میں نہ ہوتے جس میں اس وقت ہیں۔(۲)

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۷، ص ۵۶۷

(۲) النزاع والتخاصم، ص ۴۷

نفس ذکیہ کے انقلاب کو کچل دینے کے بعد اور مدینہ میں ان کے قتل اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کے قتل کے بعد ''جنھوں نے بصرہ میں قیام کیا تھا اور کوفہ کے نزدیک باضری نامی مقام پر جاں بحق ہوئے تھے'' جس کو لوگ بدر صغریٰ بھی کہتے تھے۔(۱)

عباسی حکام کے خلاف انقلابات بپا ہوتے رہے، محمد بن جعفر منصور کے زمانے میں علی بن عباس بن حسن بن حسن بن علی علیہم السلام نے قیام کیا، لیکن اس علوی انقلابی کو دستگیر کرنے میں کامیاب ہوگیا، حسن بن علیؑ کی سفارش پر ان کو آزاد کردیا لیکن شہد کے شربت میں زہر دیدیا گیا جس نے اپنا کام کردیا، چند دن نہیں بیتے تھے کہ وہ مدینہ کی طرف چل پڑے لیکن ان کے جسم کا گوشت جا بجا سے پھٹ گیا تھا اور اعضائے بدن جدا ہوگئے تھے اور مدینہ میں پہنچ کر تین دن بعد انتقال ہوگیا۔(۲)

موسی ہادی خلیفہ کے زمانے میں حسین بن علی بن حسن بن حسن بن علی ابن ابی طالب علیہم السلام نے قیام کیا اور ان کا یہ قیام فخ نامی مقام پر ان کے قتل کے ساتھ ختم ہوگیا، وہ شہید فخ کے نام سے مشہور ہیں، ہادی کے بعد جب رشید حاکم ہوا تو اس نے یحییٰ بن عبداللہ بن حسن کو گرفتار کرا کر زندہ دیوار میں چنوا دیا۔(۳)

جب مامون نے حکومت سنبھالی تو علویوں سے محبت کا دکھاوا کیا اور علی بن موسیٰ الرضاؑ کو بلا کر جبراً ولی عہدی دی اس کے بعد زہر دے کر شہید کرا دیا۔

عباسی حکمرانوں کی عادات قبیحہ جڑ پکڑ گئیں اور ائمہ علیہم السلام کو اس کا نشانہ بنایا اور زندہ و مردہ سب پر ظلم کیا۔

---

(۱) مقاتل الطالبین، ابی الفرج الاصفہانی، ص ۳۶۵

(۲) مقاتل الطالبین، ابی الفرج الاصفہانی، ص ۳۶۵

(۳) مقاتل الطالبین، ص ۴۰۳

چنانچہ متوکل نے قبر امام حسینؑ پر ہل چلوا دیئے اور پانی بھروا دیا اور لوگوں کو آپ کی زیارت سے منع کر دیا بلکہ مسلح افراد کے ذریعہ ناکہ بندی کرادی کہ کوئی شخص بھی امام حسینؑ کی زیارت کو نہ جائے اور اگر جائے تو فوراً اس کو گرفتار کر لیا جائے۔

متوکل نے اہلبیتؑ کے خلاف قید و بند کی سیاست اختیار کی، عمر بن الفرج کو مکہ و مدینہ کا مختار کل بنا دیا، اور فرزندان ابوطالب پر کڑا پہرہ بٹھا دیا کہ یہ لوگوں سے میل جول نہیں رکھ سکتے اور لوگوں پر پابندی لگادی تھی کہ ان کے ساتھ حسن رفتار نہ کریں اور کوئی اس وقت ایک شخص بھی کسی قسم کی معمولی سی بھی ان کی اطاعت نہیں کر سکتا تھا، مگر یہ کہ سختی جھیلے اور نقصان اٹھائے، بلکہ انتہا یہ تھی کہ سیدانیوں کی ایک جماعت کے پاس صرف ایک پیراہن ہوتا تھا جن میں باری باری نماز ادا کرتی تھیں اس کے بعد اس پر پیوند لگاتی تھیں اور چرخہ کے پاس سر برہنہ بیٹھ جاتی تھیں۔ (۱)

جب مستعین باللہ حاکم ہوا تو اس نے یحییٰ ابن عمر بن حسین کو قتل کر دیا، جن کے بارے میں ابوالفرج اصفہانی نے کہا ہے کہ: وہ بہادر، دلیر، قوی الجثہ، نڈر، جوانی کی غلطیوں سے پاک شخص تھا اس کا مثل نہیں مل سکتا، جب ان کا سر بغداد میں لایا گیا تو اہل بغداد مستعین کے خلاف چیخنے لگے، ابوحاتم علی بن عبد اللہ بن طاہر داخل ہوئے اور کہا کہ: اے امیر! میں تجھے اس شخص کی موت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اگر رسول خداؐ زندہ ہوتے تو ان کو اس حوالے سے تعزیت پیش کرتا، یحییٰ کے دوستوں کو قیدی بنا کر بغداد میں لایا گیا، اس سے قبل کسی اسیر و قیدی کارواں کو اس بدحالی اور بگڑی کیفیت میں نہیں دیکھا گیا تھا، وہ لوگ ننگے پیر زبردستی پھرائے جا رہے تھے اگر ان میں سے کوئی پیچھے رہ جاتا تو اس کی گردن اڑادی جاتی تھی۔ (۲)

(۱) مقاتل الطالبین، ص ۴۰۳

(۲) مقاتل الطالبین، ص ۴۰۳

کئی صدی تک شیعوں نے چین کا سانس نہیں لیا، مگر جب بہائی حکمراں کا دور ۳۲۰ھ میں آیا اور انھوں نے بعض اسلامی ممالک کی باگ ڈور سنبھالی تو سکون ملا، یہ اخلاق کے بہت اچھے تھے، انھیں کے دور حکومت میں شیعی ثقافت نے نمو پائی، یہاں تک سلجوقیوں کا دور آیا اور وہ ۴۴۷ھ میں بغداد کے حکمراں بن گئے ان کا سردار طغرل بیگ تھا اس نے شیعہ کتب خانہ کو نذر آتش کا حکم دے دیا اور شیعوں کے مرجع شیخ طوسی جس کرسی پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے، اس کو بھی جلوایا، اس کتب خانہ کو بھی نذر آتش کردیا، جسے ''ابونصر سابور بن اردشیر'' نے مرتب کیا تھا جو بہاء الدولہ البویھی کے وزیر تھے، وہ وقت بغداد میں علم کا دور تھا، اس وزیر جلیل نے کرخ میں اہل شام کے محلہ میں ۳۸۱ھ میں ہارون کے بیت الحکمہ کی مانند اس کتب خانہ کو بنایا تھا یہ بہت اہمیت کا حامل کتب خانہ تھا، اس وزیر نے اس میں ایران و عراق کی ساری کتابیں جمع کردی تھیں، اہل ہند، چین، روم کے مولفین کی کتابوں کو جمع کردیا تھا ان کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی جو عظیم آثار اور اہم سفرناموں پر مشتمل تھی، اس میں موجود اکثر کتابیں مولف کی ہاتھوں کی لکھی ہوئی اصل خط میں تھیں، ان کتب میں ابن مقلۃ کے ہاتھوں کا لکھا مصحف بھی تھا۔(۱)

یاقوت حموی اس کتاب خانہ کی تعریف میں کہتا ہے کہ: پوری دنیا میں اس سے بہتر کتابیں نہیں تھیں اس کی ساری کتابیں معتبر ذمہ داروں کے خط اور اصول تحریر پر مشتمل تھیں۔(۲)

خلافت عثمانیہ (ترکیہ) کے زمانے میں بھی شیعوں پر کچھ کم مظالم نہیں ڈھائے گئے، سلیم عثمانی بادشاہ کے، کان خبر چینوں نے بھر دیئے کہ آپ کی رعایا میں مذہب شیعیت پھیل رہی ہے اور بعض افراد اس سے منسلک ہو رہے ہیں، سلیم عثمانی نے ان تمام افراد کو قتل کا حکم صادر کردیا جو اس مذہب شیعہ میں شامل ہو رہے تھے۔(۳) اس وقت تقریباً چالیس ہزار افراد کا قتل عام کیا گیا۔

....

(۱) خطط الشام، ج ۳، ص ۱۸۵، الکامل فی التاریخ، ج ۱۰، ص ۳

(۲) معجم البلدان، ج ۲، ص ۳۴۲ (۳) معجم البلدان، ج ۲، ص ۳۴۲

شیخ الاسلام نے فتوی دیا کہ ان شیعوں کے قتل پر اجرت ملے گی اور شیعوں کے خلاف جو جنگ کو ہوا دے گا اس کو بھی انعام دیا جائے گا۔(۱)

ایک شخص نے شیخ نوح حنفی سے شیعوں کے قتل اور جنگ کے جواز کا مسئلہ پوچھا تھا اس کے جواب کے تحت شہر حلب میں ہزاروں لوگوں کو قتل کر دیا گیا، اس خود باختہ مفتی نے اس کے جواب میں لکھا کہ: خدا تمہارا بھلا کرے تم جان لو کہ وہ (شیعہ) لوگ کافر، باغی، فاجر ہیں، ایک قسم کے کفار باغی، دشمنان خدا، فاسقین، زندیق وملحدین جمع ہوگئے ہیں۔

جو شخص ان کے کفر والحاد اور ان کے قتل کے وجوب و جواز میں ڈانواں ڈول ہو، وہ بھی انھیں کے مثل کافر ہے، آگے کہتا ہے کہ: ان اشرار کفار کا قتل واجب ہے، چاہے توبہ کریں یا نہ کریں، ان کے بچوں اور ان کی عورتوں کو کنیز بنانے کا حکم ہے۔(۲)

یہ تو تاریخ میں سے بہت کم ہے جس کو شیعیت نے تاریخ کی مشکلات و پریشانیوں کو جھیلا ہے، ہم نے صرف بطور اختصار پیش کیا ہے ان اسباب سے پردہ اٹھانے کے لئے جس کا بعض حکومتیں دفاع کرتی ہیں اور جو لوگ شیعیت کے چہرے کو خاطر خواہ لبادہ میں لپیٹ کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ شیعیت ہمیشہ تاریخ کے ظالم و جابر بادشاہوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی ہے، جیسا کہ انھوں نے ہم کو ایسے فکری مقدمات فراہم کئے کہ شیعہ کئی حصوں میں تقسیم ہو جائیں، ظاہری بات ہے ان اقدامات کے تحت بہت سارے لوگ اندھیرے میں رہ گئے اور وہ اقدامات واسباب جو انحراف کی نشو ونما کے لئے اس میں داخل کئے گئے تھے تاکہ لوگ

....

(۱) الامام الصادق والمذاہب الاربعہ، اسد حیدر، ج۱، ص۲۳۳

(۲) الفصول المہمہ، تالیف سید عبد الحسین شرف الدین، ص۱۹۶۔۱۹۵، فتاوی حامدیہ، ج۱، ص۱۰۳؛ تاریخ الشیعہ، شیخ مظفر، ص۱۴۷؛ التقیہ فی فقہ اہل البیت، ج۱، ص۵۱

اصلی خط شیعیت سے منحرف ہو جائیں، بعض اسباب کے تحت منحرفین اور وسواسی لوگ صفوف شیعہ میں داخل ہو گئے اور بعض نے فاسد عقائد کا اظہار اور باطل نظریات کو اس سے ضم کر دیا تا کہ شیعیت کا حقیقی چہرہ لوگوں کے سامنے بدنام ہو جائے۔

جو ظالم حکمرانوں کے لئے ایک موقع تھا اور اس اصلی انقلابی اسلامی تحریک کے خلاف ان ظالموں کی مدد تھی، یہ اسلامی خط اس دین کا محافظ تھا جس کو رسول عربیؐ لے کر آئے تھے اور اہل بیت کرام کو اسکی حفاظت پر ماٗمور کیا تھا جو کہ رسولؐ کے بقول قرآن کے ہم پلہ تھے۔

چوتھی فصل

چوتھی فصل

مسیر تشیع

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ائمہ علیہم السلام نے اس بات کو بخوبی درک کرلیا کہ ابتدائی گروہ کے جانے بعد اب صرف یہی باقی ہیں اوران میں عقیدتی وہ پختگی نہیں آئی ہے جو قیام کی مطلوبہ اہلیت کی حامل ہو اوراس کو حاصل کرنے کے لئے جسمانی قربانی بہت پیش کی ہے، لہذا انھوں نے ادھر سے رخ موڑلیا، ایک نئی چیز کی جانب وہ تھی شیعوں کی ثقافتی تربیت ان کے قلب ودماغ میں عقیدوں کی پختگی اور انحرافی راہوں سے ان کی حفاظت، جو کہ عباسی سلاطین کے دور حکومت اور زیر سایہ جنگی صورت میں جنم پائی تھی، لہذا امام سید سجادؑ نے اس تحریک کواسلام کی حقیقی تعلیم کی صورت میں لوگوں تک پھیلانا شروع کردیا اور ایسے محافظین کی تربیت شروع کی جو اسلام کی راہ ورسم کو زندہ رکھ سکیں اور سنت نبوی کو اجاگر کرسکیں، ہر چند کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد بہت ہی مشکل کام تھا اور اموی سلطانوں نے شیعوں پر عرصۂ حیات تنگ کرکے ان کو بہت گھٹن میں مبتلا کردیا تھا اور اہل بیت کی نقل و حرکت پر گھات لگائے تھے، سید سجاد کی تحریک بعض مشکلات کے روبرو تھی، جب آپؑ کے فرزند امام محمدؑ نے امامت سنبھالی تو حالات کچھ بہتر ہوئے، اس وقت اموی حکمرانوں کی گرفت تھوڑی ڈھیلی پڑ رہی تھی اور امام کو اتنی مہلت مل گئی کہ گذشتہ دنوں کے بنسبت شیعوں کو جمع کرکے علوم اسلامی کو ان تک

پہنچا سکیں، جب ان کے فرزند امام صادق کا دور امامت آیا تو اموی حکومت کا سورج بس غروب کے پردے میں جانے ہی والا تھا اور جابر سلطانوں کی ساری مشغولیت خانہ جنگیوں کو کچلنا رہ گئی تھی، عباسی خلفاء کی سلطنت کا طلوع امام صادق کے لئے سنہری موقع تھا کہ وہ علوم اسلامی کو دل بخواہ کیفیت میں لوگوں تک منتقل کر سکیں۔

آپؑ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوتے اور مختلف شہروں سے طلاب علوم آپ کے گرد حلقہ بنا لیتے، ان کی تعداد ہزاروں میں پہنچ گئی تھی یہ واقعاً شیعوں کے لئے ایک طلائی فرصت تھی کہ امام سے ملاقات کر سکیں اور علوم آل محمد سے سیراب ہو سکیں، ان کے مقابل ان انحرافیوں کا مکتب و مرکز تھا جن کے بانی اموی سلاطین تھے وہ اپنی فکروں کو فروغ دینے میں دن ورات مشغول تھے۔

أئمہ اہلبیت علیہم السلام مسلحانہ انقلاب سے دوری اختیار کر چکے تھے جو حکومت کی بیخ کنی کرے، اس لئے کہ اس وقت شیعوں کی تعداد اتنی نہیں تھی جو مقصد کو حاصل کر سکے اور انقلاب کی ذمہ داری کو سنبھال سکے اور جن قربانیوں کی ضرورت تھی ان کو پیش کر سکے، اس وقت ثقافت وتعلیم کی جانب رخ موڑ دینا کامیاب نہ ہونے والے انقلاب سے کہیں بہتر تھا، اور اس بات کی پوری تائید حضرت زید بن علی کا مسلحانہ انقلابی اقدام ہے جو انھوں نے اموی سلاطین کے خلاف کیا تھا اور ان کے قتل پر ختم ہو گیا تھا اور اہل کوفہ نے ان کا ساتھ اسی طرح چھوڑ دیا جس طرح ان کے آباء واجداد کے ساتھ غداری کی تھی۔

یہ اس بات کی غماز ہے کہ وہ لوگ خیمۂ انقلاب کی حفاظت کی بالکل صلاحیت ولیاقت نہیں رکھتے تھے۔

عباسی حکمرانوں کی ابتدائی زندگی میں نسبتاً سہولت تھی اور یہ موقع شیعہ حضرات کے لئے غنیمت تھا تاکہ اہل بیت سے علوم اسلامی کو حاصل کر سکیں خاص طور سے امام صادق جن کی وجہ سے

مذہب اہل بیت مذہب جعفری کہلایا۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ اس طلائی فرصت کو اس وقت گہن لگ گیا جب لوگوں کا ہجوم در اہلبیت پر دیکھا تو عباسیوں کو بہت قلق ہوا، خاص طور سے اس عباسی دعوت کی حقیقت واضح ہوگئی جس کی بنیاد ظاہراً اس بات پر تھی کہ آل محمد کے پسندیدہ شخص کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے۔

جب لوگوں کے سامنے ان کی اس دعوت نامہ کی قلعی کھل گئی اور لوگوں کی شورش اور آل محمدؐ کے جھنڈے تلے جمع ہونے سے خائف ہوگئے، تو ائمہؑ اور ان کے ساتھیوں پر سختی شروع کردی، اور سادات کرام کی جانب سے اٹھنے والے ہر انقلاب کو نہایت بیدردی کے ساتھ دبا دیا۔

شیعوں پر شکنجے کس دیئے ائمہ کرامؑ پر کڑی نظر رکھنی شروع کردی حد یہ کہ برسہا برس کے لئے زندانوں میں قید کردیا، جیسا کہ رشید نے امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ کیا، یا ان کے آبائی وطن مدینہ منورہ سے جبراً نکال کر ان کو عباسی حکومت کے دار السلطنت میں رہنے پر مجبور کیا، جیسا کہ امام رضاؑ کے بعد باقی تمام ائمہ، امام حسن عسکریؑ تک، سب کے ساتھ یہی برتاؤ کیا۔

وہ زمانہ بہت ہی سخت تھا عباسی حکمرانوں نے جو پہرہ بٹھایا تھا ان دنوں کوئی شیعہ آزادانہ طور پر اپنے امام سے ملاقات نہیں کرسکتا تھا، یہ زمانہ چلتا رہا یہاں تک کہ امام حسن عسکریؑ کو یرغمال بنالیا جب ان کو حضرت حجت کی ولادت کی خبر ہوئی، جو کہ الٰہی تدبیر کے سبب لوگوں کی نگاہوں سے غائب رہے، آپ کی غیبت صغریٰ تقریباً ستر (۷۰) سال کے عرصہ پر محیط تھی، آپ اور آپ کے شیعوں کے درمیان رابطہ نواب اربعہ ''جو کہ ان کی وکالت کا کام کرتے تھے'' ان کے ذریعہ رہا، یہاں تک کہ غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوگیا، اہل بیتؑ کے بعد شیعہ مراجع کرام، علمی، دینی، سیاسی طور پر مکمل مرکز قرار پائے۔

اسلامی فرقے اور غالیوں کے انحرافات

تشیع کی راہ کبھی بھی مشکلات وسختیوں سے خالی نہیں رہی، جیسا کہ گذر چکا ہے کہ سلاطین، شیعوں اوران کے اماموں پر بہت سختی کرتے تھے اور یہ حضرات مجبور تھے کہ تقیہ کی صورت میں زندگی بسر کریں اور ائمہ علیہم السلام بھی ہمیشہ حقائق کو علی الاعلان بیان نہیں کر سکتے تھے کیونکہ موجودہ حکومت مد مقابل کھڑی تھی، ایسے حالات میں شیعوں پر سختی اور دباؤ کا خطرہ تھا، انھیں اسباب کے سبب اس وقت کے بعض شیعہ حیران وسرگرداں ہوگئے تھے، ایسے وقت میں بعض روحانی مریض اور گنجلک مقاصد کے علم بردار افراد نے ان پر غلبہ حاصل کرلیا، اس کا دوسرا سبب ان عوام کا علم سے ناواقفیت تھی، جو سیر تشیع سے انحراف کا مکمل سبب بنی اور بعد میں آنے والے مسلمین پر اثر انداز ہوئی اور خوراج، معتزلہ، جہمیہ، مرجۂ اوران کے مانند فرقوں کی صورت میں وجود میں آئے۔

یہ سب آیات الٰہیہ کی غلط تاویل کرنے اور احادیث نبوی کی غلط تشریح کرنے کے سبب ہوا، اس کے علاوہ خطرناک مسئلہ بعض مسلمان نما افراد کا اہل کتاب اور دوسرے مذاہب کے افراد کے ہاتھوں کھلونا بنتا تھا جس کے سبب اسرائیلیات داخل ہوئیں اور مسلمانوں کوان کی تعلیم بھی دی گئیں جن دنوں حدیث کوگڑھا جارہا تھاان دنوں یہ اتفاقات وجود میں آئے۔

جو چیز دوسرا رخ اختیار کرگئی وہ یہ تھی کہ ان میں سے بعض افراد نے احادیث کی تخلیق اور آیات قرآنی کی غلط تاویل، صرف اپنے مذہب کی تقویت کے لئے کیا، یہ سب اس لئے ہوا کہ بعض افراد اپنے دعویٰ میں حد سے گذر گئے اوراس بات کا دعویٰ کربیٹھے کہ انھیں کا وہ واحد فرقہ ہے جوحق و حقیقت سے لبریز ہے اور بقیہ سارے فرقے گمراہی میں غرق ہیں۔

اس تنگ وتاریک نظریہ کے تحت تمام مسلمانوں کے کفراوران کے خون حلال ہونے، ان کی نسلوں کوختم کرنے، ان کی عورتوں کوکنیز بنالینے کی گونج بہت دورتک سنائی دی نیز ان فرقوں کے بیچ

کلامی جنگیں بھی بہت ہوئیں اور انھیں عصبیت کے سبب بہت سارے مفاہیم گڈمڈ ہو گئے اور اصطلاحات گنجلک اور بہت ساری ایسی چیزوں کا نام رکھ دیا گیا جن سے ان کا کوئی ربط نہیں تھا۔

اس مسئلہ کے تحت مذہب اہل بیت بڑی مشکل سے دوچار ہوا، ایسے میں بہت سارے فرقے اور فاسد عقائد کے دہشت گرد، مذہب حق میں گھس گئے اس کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی صرف یہ کہ وہ لوگ ولایت اہل بیتؑ کے نام لیوا تھے ہر چند کہ یہ لوگ اہل بیتؑ کے مطمع نظر کے یکسر مخالف تھے، ان میں سے ''غالیوں'' کا گروہ ہے جن کو ائمہ اہلبیتؑ کی جانب نسبت دیدی گئی ہے جب کہ ان کو شریعت وعقل اور خود ائمہ علیہم السلام نے قبول نہیں کیا ہے۔

ان تمام اسباب کے تحت نیز حکومت ہاتھ آنے کے لئے جنگ کے سبب مفاہیم خلط ملط ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرقوں کے صاحب کتاب مولفین کے نظریات کے درمیان بڑی معرکہ آرائی ہوئی ہے خاص طور سے شیعوں کے سلسلہ میں، ان مولفین کی آراء جو شیعوں کی تعداد کے سلسلہ میں ہے بالکل اتفاق نہیں پائیں گے، کچھ نے گھٹا کے تین کر دیا، کچھ نے بیس سے زیادہ شمار کر دیا اور اسی طرح کی کھینچا تانی لگی رہی ہے ان میں سے بعض ایسے فرقے ہیں جن کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، بعض مولفین نے شخص کو فرقہ کی صورت میں پیش کر دیا ہے۔

ہشامیہ، یونسیہ، زراریہ، یہ سب فرد تھے لیکن شہرستانی، صاحب کتاب (ملل ونحل) نے ان سب کو فرقہ کے طور پر ذکر کیا ہے اور ان کے خاص نظریات کو پیش کیا ہے، بعض مولفین نے دوسرے مذہب کی تحقیر کے لئے اور علم وفضل سے خالی ہونے کے لئے بہت عصبیت سے کام لیا ہے۔

جیسا کہ بغدادی کہتا ہے کہ خدا کے فضل وکرم سے خوارج، رافضی، جہمیہ، قدریہ، مجسمہ اور سارے گمراہ فرقوں میں نہ ہی کوئی فقہ وروایت وحدیث کا امام ہے اور نہ ہی لغت وعلم نحو کا عالم وامام، نہ ہی غزوات وتاریخ وسیرت کا لکھنے والا ہے اور نہ ہی وعظ ونصیحت کہنے والا، اور نہ ہی تفسیر وتاویل کا

امام موجود ہے بلکہ ان سارے علوم کا اعم و اخص طور پر جاننے والے صرف اہل سنت والجماعت میں موجود ہیں۔(۱)

ان ساری باتوں کو صرف عناد، دشمنی، کدورت اور کٹ حجتی پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ وہ دوسرے افراد میں آثار اسلامی کے معلومات کا سرے سے انکار کرتے ہیں، جبکہ علماء اسلام کے حدیثی، تاریخی، تالیفات ہر فرقہ میں موجود ہیں جس کی گونج سارے کائنات میں ہے۔

بطور نمونہ وہ مولفین جنھوں نے اس میں خلط ملط کیا ہے، جیسی کہ وہ تقسیم جس کو ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری متوفی ۳۲۴ھ نے اپنی کتاب ''مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین'' میں فرقۂ شیعہ کو پہلے بنیادی طور پر تین قسموں پر تقسیم کیا ہے، پھر اس میں دوسرے فرقہ کی شاخ نکالی ہے، اس کے بعد ''غلو'' کرنے والوں کو پندرہ فرقوں میں تقسیم کیا ہے، پھر امامیہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو رافضہ کے نام سے یاد کیا ہے پھر ان کو چوبیس (۲۴) فرقوں میں تقسیم کیا ہے، کیسانیہ کو انھوں نے امامیہ میں شریک وشمار کیا ہے، درحقیقت یہ ''غلاۃ'' کا ایک فرقہ ہے امامیہ سے ان کا کوئی سروکار نہیں، پھر زیدیہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے، جارودیہ، بتریہ، سلیمانیہ پھر ان گروہوں کو دوسرے گروہوں میں تقسیم کیا ہے، اکثر افراد نے غلطی کی ہے اور سلیمانیہ کو زیدیہ کے فرقوں میں شمار کیا ہے، جب کہ ان کے سارے عقائد اہل سنت والجماعت سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔

افسوس اس بات پر ہے کہ اس عصر کے اکثر مولفین نے اس روش کی مکمل پیروی کی اور ان گذشتہ کتابوں پر اندھا بھروسہ کیا اور تحقیق وتفحص سے بالکل کام نہیں لیا، کسی فرقہ یا گروہ کے مبانی و مصادر کی طرف بالکل رجوع نہیں کیا تا کہ ان گروہ کے ذمہ داروں کی زبان سے ان کے عقائد کو جان سکیں، بلکہ مخالف فرقہ کے مقالات پر تکیہ کیا اور جو کچھ انھوں نے جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کر دیا اس کو

---

(۱) الفرق بین الفرق، ص۲۸۲

آنکھ بند کر کے قبول کرلیا۔

ان ساری باتوں کو پیش کرنے کا ہمارا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم اصل شیعیت کے وجود کو جان سکیں جو کہ ہمارا اصل موضوع ہے یعنی (شیعیت کی نشو ونما) لہٰذا ہم اس بات کی حتی الامکان کوشش کریں گے کہ زمانوں کا اصل اثر ثابت کرسکیں جو شیعیت پر بیتے ہیں اور اس حقیقت سے پردہ اٹھا سکیں جس کو صاحبان کتب نے ڈالا ہے اور شیعہ عقائد میں ان تمام خرافات کو شامل کر دیا ہے جو ان کے عقائد سے بالکل میل نہیں کھاتے اور نہ ہی شیعہ حضرات ان عقائد کو کسی بھی رخ سے قبول کرتے ہیں۔

لہٰذا ہم پہلے مفہوم تشیع کو بیان کریں گے اس کی بعد اس کے اہم بنیادوں کو وضاحت کے ساتھ پیش کریں گے اس کے بعد شیعہ اور ان کے ائمہ کے موقف کو غلو اور غلاۃ (غلو کرنے والوں) کے سلسلہ میں عرض کریں گے۔

مفہوم تشیع

صاحبان کتب نے شیعہ اور تشیع کے بارے میں متعدد لفظوں میں تعریف کی ہے ان میں سے اہم نظریات کو پیش کر رہے ہیں:

۱۔ ابوالحسن اشعری: جن لوگوں نے علی کا ساتھ دیا اور ان کو تمام اصحاب رسولؐ پر برتر جانتے ہیں، وہ شیعہ ہیں۔ (۱)

۲۔ ابن حزم مفہوم تشیع کے بارے میں کہتا ہے: شیعہ کا نظریہ ہے کہ علیؑ رسولؐ کے بعد افضل امت اور امامت کے حقدار ہیں اور ان کے بعد وارث امامت، ان کے فرزند ہیں، درحقیقت یہی شیعہ ہیں، ہر چند کہ مذکورہ باتوں کے سلسلہ میں مسلمانوں کا اختلاف ہے اور ان عقائد کا مخالف شیعہ نہیں ہوسکتا۔ (۲)

---

(۱) مقالات الاسلامیین، ج ۱، ص ۶۵، طبع قاہرہ، ۱۹۵۰ء

(۲) الفصل فی الملل والاھواء والنحل، ج ۲، ص ۱۱۳، طبع بغداد

۳۔ شہرستانی نے کچھ یوں تعریف کی ہے: شیعہ وہ ہیں جو خاص طور سے علیؑ کے حامی رہے اور اس بات کے معتقد ہیں کہ ان کی امامت و وصایت نص اور رسولؐ کی وصیت سے ثابت ہے چاہے ظاہری ہو یا باطنی اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی اولادوں کے علاوہ دوسرا حقدار نہیں، اگر امامت دوسرے کے پاس گئی تو یقیناً ظلم کا عمل دخل ہے یا تقیہ کے سبب ہے اور اس بات کے قائل ہیں کہ امامت کوئی مصلحتی عہدہ نہیں ہے جو امت مسلمہ کے ہاتھوں طے پائے اور امت کے انتخاب سے امام معین ہو جائے، بلکہ یہ ایک اصولی مسئلہ ہے یہ رکن دین ہے خود رسولوں کے لئے بھی اس مسئلہ میں تساہل و سہل انگاری جائز نہیں اور نہ ہی وہ امت کے ہاتھوں (انتخاب امام) کا فیصلہ سپرد کر سکتے ہیں۔

آگے کہتے ہیں: شیعہ امامت کی تعیین و تنصیص کے قائل ہیں اور انبیاء کے مانند (امام کے لئے) صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں، تولی وتبری کے بھی قولی فعلی، عقیدتی قائل ہیں مگر یہ کہ تقیہ کے سبب ایسا نہ کر سکیں۔ (۱)

۴۔ محمد فرید وجدی: شیعہ وہ ہیں جو علیؑ کی امامت کے مسئلہ میں ان کے ہمراہ رہے اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت ان کی اولادوں سے جدا نہیں ہو سکتی، وہ اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت کوئی مصلحتی مسئلہ نہیں ہے جس کو امت کے اختیار و انتخاب پر چھوڑ دیا جائے، بلکہ یہ ایک اصولی مسئلہ ہے یہ رکن دین ہے، ضروری ہے کہ رسول اکرمؐ کی اس مسئلہ پر نص صریح موجود ہو۔

شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کرامؑ صغیرہ وکبیرہ گناہ سے معصوم ہیں اور تولی وتبریٰ کے قولی وفعلی معتقد ہیں مگر ظالم کے ظلم کے سبب یہ عمل تقیہ کی صورت میں انجام دیا جا سکتا ہے۔ (۲)

---

(۱) ملل ونحل، ص ۱۳۱

(۲) دائرۃ المعارف القرن العشرین، ج ۵، ص ۴۲۴

۵۔ شیعہ مولفین حضرات نے، شیعہ کی تعریف یوں کی ہے:

نوبختی: پہلا فرقہ شیعہ ہے جو حضرت علیؑ کا حامی تھا اور ان کو حیات رسول اور وفات رسولؐ کے بعد شیعیان علیؑ کہا جاتا ہے، یہ لوگ حضرت سے بے پناہ عشق اور ان کی امامت کے اقرار کے سبب مشہور تھے اور وہ افراد مقداد، ابن الاسود، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، جندب بن جنادہ غفاری، عمار یاسر تھے، اور وہ لوگ جو ان کی مودّت علیؑ کے سلسلہ ان کی تائید کرتے تھے اور سب سے پہلا گروہ جو شیعہ کے نام سے معروف ہوا وہ یہی تھا، اس لئے کہ تشیع (شیعہ) کا نام بہت پرانا ہے شیعہ ابراہیم، شیعہ موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء کرام۔(۱)

۶۔ شیخ مفید، شیعہ کی کچھ یوں تعریف کرتے ہیں: شیعہ وہ ہیں جو علیؑ کے حامی اور اصحاب رسولؐ پر ان کو مقدم جانتے ہیں اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ رسولؐ کی وصیت اور تائید پروردگار کے تحت امام ہیں، جیسا کہ امامیہ اس بات کا راسخ عقیدہ رکھتے ہیں اور جارودیہ صرف بیان کرتے ہیں۔(۲)

۷۔ شیخ محمد بن حسن طوسی، وہ نص و وصیت سے کلام کو مربوط کرتے ہوئے تشیع کے عقائد کو مربوط کرتے ہوئے کہتے ہیں: علیؑ مسلمانوں کے امام، وصیت رسولؐ اور ارادۂ خدا کے سبب ہیں، پھر نص کو دو قسموں پر تقسیم کرتے ہیں: ۱۔ جلی ۲۔ خفی

نص جلی اس کو شیعہ امامیہ نے تنہا نقل کیا ہے اور جن اصحاب نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے وہ خبر واحد سے کیا ہے۔

لیکن نص خفی کو شیخ طوسی نے نقل کیا ہے کہ اس کو سارے فرقوں نے قبول کیا ہے گو کہ اس کی

(۱) فرق الشیعہ، ص ۱۷

(۲) ھویۃ التشیع، الشیخ احمد وائلی، ص ۱۲، من موسوعۃ العتبات المقدسہ المدخل، ص ۹۱

تاویل اور مراد معنی میں اختلاف کیا ہے اور ان کی اس بات سے کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔

طوسیؒ نے سلیمانیہ فرقہ کو زیدیہ شیعی فرقہ سے جدا کیا ہے کیونکہ وہ لوگ نص کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ امامت شوریٰ (کمیٹی کے انتخاب) کے ذریعہ طے ہو سکتی ہے اور اگر دو نیک کسی پر ایک ساتھ اتفاق رائے کر لیں تو بھی امامت ممکن ہے، مفضول کو بھی (فاضل کے ہوتے ہوئے) امامت مل سکتی ہے۔

صالحہ، بتریہ، زیدیہ فرقہ کا بھی امامت کے سلسلہ میں سلیمانیہ ہی کی مانند نظریہ ہے شیخ طوسیؒ نے سلیمانیہ کے نظریہ کو مذکورہ بالا فرقوں کے نظریات پر منطبق کیا ہے۔(۱)

یہ وہ آراء و نظریات تھے جو مفہوم تشیع کے سلسلہ میں قدیم اور معاصر دونوں فرقوں کے علماء نے پیش کیئے، ہم ان نظریات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ مفہوم تشیع کے لئے دو اصطلاحیں ہیں: ۱۔ تشیع کے عمومی معنی، ۲۔ تشیع کے خصوصی معنی۔

جو شخص بھی اس موضوع کو جاننا چاہتا ہے اس کے لئے مفہوم بہت گنجلک ہو گیا ہے، مذکورہ آراء و نظریات جو پیش کئے گئے ہیں ان کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جن لوگوں نے مفہوم تشیع کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے انھوں نے تشیع کے صرف خصوص مفہوم کو بیان کیا ہے عمومی مفہوم سے بالکل سروکار نہیں رکھا، لہٰذا ہم اس بات کی کوشش کریں گے کہ دونوں کو تقسیم کر کے اصل مسئلہ کی وضاحت کر دیں۔

تشیع کا عمومی مفہوم

۱۔ یہ کہ علیؑ کو صرف عثمان پر افضل جانا ہے ابوبکر و عمر سے افضل نہیں جانتے، تو اس طرح کی شیعیت میں اصحاب و تابعین اور تبع تابعین کا بہت بڑا گروہ شامل ہو جائے گا جیسا کہ شمس الدین

(۱) ڈاکٹر عبداللہ فیاض، تاریخ امامیہ، ص۳۳۔۳۲

ذہبی نے ''ابان بن تغلب'' کے حالات میں جن لوگوں نے ان کے شیعہ ہونے کے بارے میں کہا ہے اس سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہیں کہ: بدعت دو طرح کی ہوتی ہے، بدعت صغریٰ جیسے شیعوں کی بدعت، یا شیعوں کی بدعت جس میں غلو و تحریف نہ ہو، تو اس میں تابعین اور تبع تابعین جو صاحبان دین زہد و ورع ہیں ان کی کثیر تعداد شامل ہے، اگر ان افراد کی حدیثوں کو غیر قابل قبول مانا جائے تو تمام احادیث و آثار نبوی ختم ہو جائیں گے اور یہ بہت بڑا نقصان ہوگا، غلو کرنے والے شیعہ گذشتہ زمانے میں تھے اور ان کی شناخت یہ ہے کہ وہ لوگ، عثمان، زبیر، طلحہ، معاویہ اور وہ گروہ جنھوں نے علیؑ سے جنگ کی ان پر لعن طعن کے قائل تھے۔ (۱)

۲۔ وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ علیؑ تمام اصحاب پر فضیلت و برتری رکھتے تھے جن میں ابو بکر و عمر شامل ہیں، لیکن اس اعتراف کے ساتھ کہ ان دونوں (ابو بکر و عمر) کی خلافت صحیح تھی اور علیؑ اور کسی ایک کے لئے بھی کوئی نص نہیں تھی جو علی کی خلافت پر دلالت کرے۔

بغدادی فرقہ معتزلہ اور بعض بصریوں نے اس کی مزید وضاحت کی ہے۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ کے شروع ہی میں اس بات کی تفصیل پیش کر دی ہے کہ ہمارے تمام شیوخ رحمہم اللہ خواہ وہ متقدمین ہوں یا متاخرین بصری ہوں یا بغدادی سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت صحیح اور شرعی تھی گو کہ نص (نبوی یا الٰہی) کے تحت نہ تھی، بلکہ اختیار پر منحصر تھی جو اجماع اور غیر اجماع کے ساتھ واقع ہوئی امامت تک رسائی کا یہ بھی ایک راستہ ہے، خود تفضیل کے سلسلہ میں اختلاف نظر ہے۔

بصری، قدماء میں سے جیسے ابو عثمان، عمرو بن عبیدہ، ابی اسحاق، ابراہیم بن یسار النظام، ابو عثمان عمرو بن بحر ابی حظ، ابو معن ثمامہ ابن اشرس، ابو محمد ہشام بن عمور فوطی، ابی یعقوب یوسف بن

---

(۱) میزان الاعتدال، ج۱، ص۶

عبداللہ الشحام اور دوسرے افراد کا کہنا ہے کہ ابوبکر حضرت علیؑ سے افضل تھے، اور ان لوگوں نے افضلیت کی ترتیب مسند خلافت پر آنے کی ترتیب سے مرتب کی ہے۔

بغدادی تمام متقدمین ومتاخرین شخصیتوں مثلاً، ابی سہل بشر بن المعتمر، ابی موسیٰ بن صبیح، ابی عبداللہ جعفر بن مبشر، ابی جعفر اسکافی، ابی الحسین خیاط، ابی القاسم عبداللہ بن محمود بلخی اور ان کے شاگردوں کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ ابوبکر سے افضل تھے۔

بصریوں میں اس نظریے کے قائل ابوعلی محمد بن عبدالوہاب جبائی آخری فرد ہیں، اور یہ (توقف آراء) کرنے والے افراد سے پہلے تھے، یہ حضرت علیؑ کی تفضیل کے قائل تھے مگر اس کی صراحت نہیں کی، جب انھوں نے تصنیف کی تو ان تصانیف میں توقف فرمایا اور یہ کہہ کر اکتفا کی کہ اگر حدیث طیر صحیح ہے تو حضرت علیؑ افضل ہیں۔(۱)

....

(۱) ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۳۸۷، پر کہا ہے کہ اس حدیث کے سلسلہ میں لوگوں نے کتابیں تحریر کی ہیں پھر ان روایات کو درج کیا ہے، جس میں یہ حدیث ذکر ہے ترمذی نے اپنے اسناد کے ساتھ انس سے روایت کی ہے کہ رسولؐ کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا تو آپ نے فرمایا: ''اللّٰھم ائتنی باحب خلقك الیك یأکل معی من ھذا الطیر '' خدا جو تیرے نزدیک سب سے محبوب ہو اس کو میرے پاس بھیج دے تاکہ اس پرندہ کے گوشت میں میرا سہیم ہو سکے. حضرت علیؑ اس وقت تشریف لائے اور رسول خداؐ کے ساتھ شریک ہوئے. اس کے بعد ابن کثیر نے متعدد روایات کو اس موضوع سے متعلق مختلف طرق سے ذکر کیا ہے اس کے بعد کہا ہے کہ ان کی تعداد نوے (۹۰) سے زیادہ ہے. اور کہا کہ اس حدیث سے متعلق مستقل کتابیں تحریر کی ہیں جن میں سے ابوبکر بن مردویہ، حافظ ابوطاہر، محمد بن احمد بن حمدان ہیں جس کو ہمارے شیخ ابوعبداللہ ذہبی نے ذکر کیا ہے. ابی جعفر بن جریر طبری کی ایک مستقل جلد کتاب دیکھی ہے جس میں تمام طرق اور الفاظ حدیث کو ذکر کیا ہے. لیکن قاضی ابی بکر باقلانی متکلم کی ایک کتاب دیکھی اس کی سند میری نظر میں ضعیف ہے، ہر چند کہ اس حدیث کو متعدد طرق سے نقل کیا گیا ہے پھر بھی اس کی صحت میں نظریات مختلف ہیں. اس حدیث کی رد کی اصل وجہ ہے کہ مسلمانوں کے عام فرقوں کے عقیدہ کے خلاف ہے. اور وہ یہ کہ علیؑ کا تمام اصحاب پر افضلیت رکھنا. کیونکہ یہ حدیث رسولؐ کے بعد تمام کائنات میں علیؑ کو افضل ثابت کرتی ہے۔۔۔

قاضی القضاۃ نے ابوالقاسم کی کتاب المقالات کی شرح میں لکھا ہے کہ ابوعلیؒ نے آخری وقت میں علیؑ کی افضلیت کا اقرار کیا ہے، اور یہ بات انھوں نے سماعی (سن کر) نقل کیا ہے ان کی تصنیفات میں اس کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔

دوسری جگہ قاضی القضاۃ کہتے ہیں: جب ابوعلی کا وقت احتضار تھا تو انھوں نے اپنے بیٹے ابوہاشم کو اشارہ سے بلایا جب کہ ان کی آواز میں رعشہ تھا، ابوہاشم کو بہت سارے راز ودیعت کیے جن میں سے حضرت علیؑ کے افضلیت کا بھی مسئلہ تھا۔

جو افراد حضرت کی افضلیت کے قائل تھے ان میں بصریوں میں سے شیخ ابوعبداللہ حسین بن علی بصری تھے جنھوں نے حضرت علیؑ کی افضلیت پر تحقیق کی تھی اور اس پر مُصر بھی تھے اور اس حوالے سے مستقل ایک کتاب بھی تالیف کر دی۔

بصریوں میں سے جو حضرت علیؑ کی افضلیت کے قائل تھے، وہ قاضی القضاۃ ابوالحسن عبد الجبار بن احمد ہیں۔

ابن متویہ نے علم کلام کی کتاب (الکفایہ) میں قاضی القضاۃ سے نقل کیا ہے کہ وہ ابوبکر و علیؑ کی افضلیت کے مسئلہ پر توقف کرنے والوں میں سے تھے انھوں نے اس پر کافی طویل احتجاج کیا ہے لہذا یہ دو مذہب ہیں جس کو آپ نے درک کیا۔

۔۔۔اس حدیث کو متعدد محدثین نے مختلف الفاظ میں اس کو ذکر کیا ہے جیسے ترمذی، حدیث ۳۷۲۱، طبری، ج۱، ص۲۲۶، ج۷، ص۹۶، ج۱۰، ص۳۴۳، ذہبی، میزان عدالت، ص۲۸۰، ۲۹۳۳، ۷۶۷۱، ۸۵۰۶، ابن حجر، لسان العرب میں، ج۱، ص۷۱، ۸۵، کنز العمال، ۳۶۵۰۷، ۳۹۶۴، مشکوۃ، ۶۰۸۵، مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۲۵، الاتحاف، ج۷، ص۱۲۰، تذکرۃ، ۹۴۹۴، تاریخ دمشق، ج۵، ص۲۲۲، ج۷، ص۳۴۲، تاریخ جرجان، ص۱۷۶، ان کے علاوہ دیگر کتب بھی ہیں جن میں اس حدیث کا تذکرہ ہے۔

بزرگوں کی ایک کثیر تعداد نے ابوبکر وعلیؑ کی افضلیت پر اظہار نظر سے توقف کیا ہے، اس بات کا ادعا ابوحذیفہ، واصل بن عطاء اور ابوہذیل محمد بن ہذیل علاف نے کیا ہے جو کہ متقدمین میں سے ہیں، درآں حالیکہ ان دونوں نے ابوبکر وحضرت علیؑ کے درمیان افضلیت پر توقف کیا ہے لیکن حضرت علیؑ کو عثمان پر قطعی طور پر افضل جانتے ہیں۔

جو لوگ توقف کے قائل ہیں ان میں سے ابوہاشم عبدالسلام بن ابی علی، شیخ ابوالحسین محمد بن علی بن طیب بصری ہیں۔

ابی الحدید کہتے ہیں: لیکن ہم لوگ اسی نظریہ کے قائل ہیں جس کو ہمارے بغدادی شیوخ نے اختیار کیا ہے یعنی حضرت کا افضل ہونا، اور کلامی کتابوں میں ہم نے افضل کے معنی کو ذکر کیا ہے۔

افضل سے مراد کثرت ثواب یا کثرت فضیلت واوصاف حمیدہ کا حامل ہونا ہے، ہم نے وہاں ذکر کیا ہے کہ آپؑ دونوں معنی میں افضل تھے۔(۱)

تشیع کا خصوصی مفہوم

حضرت علیؑ کا رسولؐ کے بعد تمام لوگوں پر افضلیت رکھنا نبی اکرمؐ کے صریح نص سے ثابت ہے اور ان کی امامت کے حوالے سے رسولؐ کی حدیث موجود ہے اور خدا کا حکم بھی ہے، رسول اکرمؐ کے بعد آپ کی امامت ثابت ہے۔

یہ وہ مفہوم ہے جو عہد رسالت میں موجود تھا جس کو رسولؐ کے بعض قریبی اصحاب نے درک کیا اور دوسرے افراد تک اس کو پہنچایا اور روز وشب کی گردش سے دوام پاتا گیا، یہاں تک کہ آج اس کو حیات جاویدانی مل چکی ہے اور خدا اس کو مزید حیات عطا کرے، اثنی عشری شیعہ حضرات نے اس

....

(۱) شرح نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۷

کو عقیدہ کا جزء جانا ہے، جس کو بطور خلاصہ ہم پیش کریں گے۔

اثنا عشری عقیدہ

شیعہ اثنا عشری حضرات اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے امام بارہ ہیں اور وہ یہ ہیں، علی ابن ابی طالب، حسن بن علی، حسین بن علی، علی بن الحسین السجاد، محمد بن علی الباقر، جعفر بن محمد الصادق، موسیٰ بن جعفر الکاظم، علی بن موسیٰ الرضا، محمد بن علی التقی، علی بن محمد النقی، حسن بن علی عسکری، محمد بن حسن المنتظر صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور اپنے عقیدہ کے ثبوت میں ان نصوص کو سند بناتے ہیں جو فریقین کے درمیان متفق علیہ ہیں اور ولایت علی ابن ابی طالبؑ جو کہ اللہ و رسولؐ کے حکم سے ثابت ہے ان میں کچھ گذشتہ بحثوں میں گذر چکی ہیں ان میں سے خاص طور سے حدیث غدیر، حدیث ثقلین جس میں رسول اکرمؐ نے اہل بیتؑ سے تمسک کی ضرورت پر نص کے طور پر حکم دیا ہے، بحثوں میں اہل بیتؑ کا تعارف کرا چکے ہیں اور ان کے بعد بقیہ ائمہ ان کی کل تعداد بارہ ہے۔

اس کے علاوہ وہ نصوص جس کے وہ لوگ تنہا دعویدار ہیں، متفق علیہ اسناد ہیں جو کہ اہل سنت کے بزرگ علماء نے درج کیا ہے، ان میں سے بخاری و مسلم ہیں نیز اصحاب صحاح و مسانید اور احادیث کے معجم مرتب کرنے والے افراد، نے اس کو نقل کیا ہے۔

بخاری کے الفاظ ہیں کہ: جابر بن سمرہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم کو فرماتے سنا کہ ''بارہ امیر ہوں گے'' اس کے بعد ایک جملہ کہا جس کو میں سن نہ سکا تو میرے والد نے کہا ''وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے'' علماء اہل سنت بارہ کی عدد میں متحیر ہو گئے۔

ابن کثیر بارہ ائمہ کے حوالے سے جو کہ سب قریش سے ہوں گے، کہتے ہیں کہ یہ وہ بارہ امام نہیں ہیں جن کے بارے میں رافضی دعویٰ کرتے ہیں، یہ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ لوگوں کے امور صرف علی ابن ابی طالبؑ سے مربوط ہیں پھر ان کے فرزند حسن اور ان کے عقیدے کے مطابق

ان کے سب سے آخر مہدی منتظر جو کہ سامرہ کے سرداب میں غائب ہوئے ہیں اور ان کا کوئی وجود نہیں ہے، نہ ہی کوئی اثر ہے نہ ہی کوئی نشانی ، بلکہ اس حدیث میں جن بارہ کے بارے میں خبر دی گئی ہے وہ چار خلیفہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی علیہم اور عمر بن عبدالعزیز ان دو اقوال کے درمیان اہل سنت کی تفسیر اثنا عشری میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ابن کثیر نے حدیث کو نقل کرنے کے بعد علماء کے اقوال کو نقل کیا ہے جن میں سے بیہقی بھی ہیں لیکن عدد کے سلسلہ میں غلطی کی ہے اور ان علماء نے خلفاء راشدین کے ساتھ بنی امیہ کے خلفاء کو بھی بیان کیا ہے اور یزید بن معاویہ، ولید بن یزید بن عبدالملک جس کو ابن کثیر نے کہا ہے کہ ''یہ فاسق ہے جس کی مذمت میں ہم حدیث پیش کر چکے ہیں'' ان دونوں کو اس فہرست میں داخل کرنے میں بہت ساری مشکلات سے دو چار ہوئے ہیں۔

یہ لوگ بارہ کی عدد کو مکمل کرنے کے لئے مجبور ہیں کہ ان میں سے بعض کو حذف کریں کیونکہ لوگوں کا ان افراد پر اجتماع نہیں ہے اور وہ خاطر خواہ نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

آخر میں ابن کثیر نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ابوجلد کی روایت صحت سے قریب ہے کیونکہ ابوجلد وہ شخص ہے جس کی نظر قدیم کتب پر ہے اور توریت میں بھی اس کے معنیٰ کو درک کیا ہے: اللہ نے ابراہیم کو اسماعیل کی بشارت دی اور اس بات کی بھی بشارت دی ہے کہ ان کی نسل پاک سے بارہ عظیم شخصیتوں کو خلق کرے گا۔

اس کے بعد ابن کثیر نے اپنے شیخ ابن تیمیہ حرانی کے قول کو نقل کیا ہے ''جابر بن سمرہ کی حدیث میں انھیں لوگوں کی بشارت دی گئی ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ امت میں فاصلہ فاصلہ سے وجود میں آئیں گے، جب تک ان کی تعداد پوری نہیں ہوگی قیامت نہیں آئے گی۔

یہودیوں میں سے مشرف بہ اسلام ہونے والے وہ افراد غلطی پر ہیں، جن کا خیال ہے کہ

رافضی فرقہ جو کہتا ہے وہی ہماری کتابوں میں لکھا ہے لہٰذا رافضیوں کی بات مانو۔(۱)

ان لوگوں کا اس بات کا اعتراف کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں اثنا عشر سے مراد اہلبیتؑ کو بتایا ہے جن کو شیعہ حضرات بارہ امام کہتے ہیں کیونکہ یہاں اہل کتاب اسلام میں داخل ہو کر شیعہ کہلائے۔

اور ابن تیمیہ وغیرہ کا یہ خیال درست نہیں کہ وہ خلفاء امت میں فاصلہ فاصلہ سے ہوں گے کیونکہ حدیث میں اس طرح کا کوئی مفہوم نہیں ہے، جب کہ ان افراد کی تعداد خلافت اسلامی کے سقوط سے لے کر اب تک مکمل نہیں ہوئی۔

ابن حجر عسقلانی نے بعض علماء کے آراء کو پیش کیا ہے جس میں سے ابن جوزی اور ابن البطال اور دوسرے افراد ہیں۔

ابن جوزی اس حدیث کے سلسلہ میں کہتے ہیں: اس حدیث کے معنی کے بارے میں بہت طولانی بحث کی اور اس کے تمام مفاہیم پر غور کیا لیکن مجھ کو روایت کا اصل مفہوم معلوم نہ ہو سکا، اس لئے کہ حدیث کے الفاظ مختلف ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں یہ خلط ملط راویوں نے کیا ہے۔(۲)

اس بات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لوگوں کا اس حدیث کے بارے میں مضطرب و سرگردان رہنے کا راز یہ ہے کہ اس حدیث میں "خلیفہ اور امیر" جیسے الفاظ ہیں، لوگوں نے اس کا مطلب خلفاء بنی امیہ و بنی عباس اور ان کے علاوہ دوسرے سرکش حکمرانوں کو سمجھ لیا اور وہ یہ بھول بیٹھے کہ خلافت و امارت درحقیقت امامت ہے جو کہ حکم و اختیار کے حساب سے زیادہ وسعت رکھتا ہے۔

شیعیت کے باقی عقائد حسب ذیل ہیں:

---

(۱) البدایہ والنہایہ، ج۶، ص۲۷۸، ۲۸۰، ج۲، ص۱۷۶، جناب ہاجرہ سے اسماعیل کی ولادت کے تذکرہ کے ضمن میں

(۲) فتح الباری، ج۱۳، ص۱۸۱

۱۔توحید: یعنی خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک وہم پلہ نہیں، وہ ذاتاً واجب الوجود ہے، نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا، وہ آفات ونقصان سے منزہ ہے، وہ زمان ومکان میں محدود نہیں، اس کے مثل کوئی چیز نہیں، وہ جسمانیات وحدوث سے پاک وپاکیزہ ہے دنیا وآخرت میں اس کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتی، اس کی تمام صفات ذاتی مثلاً: حیات، قدرت، علم، ارادہ اوران کے مانند دیگر صفات اس کی عین ذات ہیں۔

۲۔عدل: شیخ مفید نے اس اصل کا خلاصہ یوں کیا ہے کہ خدا عادل وکریم ہے اس نے بندوں کو اپنی عبادت کے لئے خلق کیا ہے اوران کو اطاعت کا حکم دیا ہے اور گناہ ومعصیت سے منع کیا ہے اوراپنی ہدایت سب پر یکساں رکھی ہے، کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیا، اس کی خلقت نہ ہی عبث ہے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کی اونچ نیچ ہے، اس کا فعل قبیح نہیں، اعمال میں بندوں کی شرکت سے منزہ ہے، کسی کو اس کے گناہ کے سوا عذاب نہیں دیتا، کسی بندے کی ملامت نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ کوئی قبیح فعل انجام دے، إِنَّ اللّٰهَ لا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجراً عَظِيماً۔(۱)

اسی جگہ پر دوسرے مذاہب کے سربراہ افراد یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی بھی نیکوکار کو بغیر کسی گناہ کے سزا دے سکتا ہے اور کسی بھی گنہگار پر نعمتیں نازل کر کے جنت میں بھیج سکتا ہے، یہی ہے خدا کی جانب ظلم کی نسبت دینا، اور خدا ان خرافات سے پاک ومنزہ ہے۔

معتزلہ نے شیعوں کے اس مسئلہ میں اتفاق رائے کیا ہے اسی سبب اصطلاح میں ان دونوں فرقوں کو "عدلیہ" کہتے ہیں۔

---

(۱) اوائل المقالات، ص ۴۴

۳۔ نبوت: یعنی مخلوقات کی جانب مبشر و نذیر کی صورت میں انبیاء کی بعثت واجب ہے اور خداوند تعالی نے سب سے پہلے آدمؑ اور آخر میں انبیاء کے سردار، افضل بشر، سید خلائق اجمعین حضرت محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین کی صورت میں مبعوث کیا، قیامت تک آپ کی شریعت کا بول بالا رہے گا، آپؐ خطا ونسیان اور قبل بعثت و بعد بعثت معاصی کے ارتکاب سے محفوظ تھے۔

آپؐ کبھی اپنی طرف سے کوئی گفتگو نہیں کرتے جب تک وحی الٰہی کا نزول نہ ہو جائے، آپؐ نے حق رسالت کو مکمل طور پر ادا کیا، مسلمانوں کے لئے حدود شریعت کو بیان کیا، قرآن آپؐ کے قلب پر نازل ہوا درانحالیکہ جب وہ قدیم نہیں تھا، کیونکہ قدیم صرف ذات پروردگار ہے، اس کتاب کے سامنے یا پیچھے سے باطل نفوذ نہیں کر سکتا یہ تحریف سے قطعی محفوظ ہے۔

۴۔ امامت: امامیہ اس بات کے معتقد ہیں کہ امامت ایک طرح کا لطف الٰہی ہے اور نبی اکرمؐ کے لئے ضروری کہ اس مسئلہ سے تغافل نہ کرے اور نبی اکرمؐ نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کی ولایت و امامت کا اعلان کیا تھا اور ان سے تمسک کی سفارش بھی کی تھی اور بہت ساری احادیث میں ان کی اتباع کا حکم دیا تھا جس طرح سے اہلبیتؑ سے تمسک کا حکم دیا تھا۔

۵۔ معاد: یعنی روز قیامت تمام مخلوقات زندہ ہو کر واپس آئیں گی تا کہ خدا ہر شخص کو اس کے عمل کے سبب جزا سزا دے سکے، جس نے نیکی کی اس کو جزا دے گا، جس نے برائی کی اس کو سزا دے گا اور شفاعت ایک طرح کا حق ہے جو گنہگار مسلمانوں کے لئے ہوگی اور کفار و مشرکین ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، یہ شیعہ عقائد تھے جن کو نہایت ہی اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔(۱)

یہ درحقیقت ان افراد کے جھوٹے دعووں کا جواب تھا جو شیعوں کی جانب نہایت ہی غیر

---

(۱) عقائد الامامیہ، شیخ مظفر، ص ۳۶، اور اس کے بعد...

معقول باتوں کی نسبت دی ہے، جیسے خدا کو مجسم بنانا اور دیگر نازیبا الزامات، جن کا مقصد صرف شیعیت کو بدنام کرنا ہے۔

انحرافی راہیں

وفات رسول اکرمؐ کے بعد جو سب سے بڑی مصیبت آئی وہ تھی اجتہادی فکر کی نشو و نما جو کہ شیعی نظریات کو یکسر بدلنے کی کوشش کر رہے تھے خاص طور سے اموی حکمرانوں کے دور سلطنت میں اور ان کے بعد آنے والے ان کے ہم فکر عباسی خلفاء تھے جنھوں نے اس بات کی قسم کھا رکھی تھی کہ شیعیت کی اصلیت کو مختلف وسایل کے ذریعہ بدل دیں گے اور ان کے خلاف فیصلہ کریں گے لیکن جب ان کو یہ مشکل نظر آئی اور تمام ایذاء رسانیاں، قتل و بربریت، تباہی و بربادی، شیعوں کے خلاف، ناکام ہوتی ہوئی نظر آئی، اور ان کے یہ ہتھکنڈے مسلمانوں کے ذہن میں شیعیت کے چہرہ کو مسخ کرنے سے عاجز رہے تو انھوں نے پینترا بدلہ اور شیعیت میں غلط فکروں کو شامل کرنے کی مہم چلائی اور اس زہریلی فکر کی تعلیم عوام میں دینی شروع کی، جس کا اصل مقصد لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانا تھی کہ شیعہ ان افکار کے حامل ہیں نتیجتاً لوگ ان سے نفرت کرنے لگیں گے اور ان کی عظمت و شوکت میں انحطاط آئے گا اور ان کے خلاف فیصلہ کرنا آسان ہوگا یا کم سے کم ان کی حد بندی ہو جائے گی اور ان کی فکری نشو و نما میں گراوٹ آئے گی اور اس امر میں حکومت کو کسی قسم کی قوت کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

یہیں سے بعض فاسد نظریات اور منحرف افراد کی ٹکڑی وجود میں آئی، جن کا اسلام سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا، جبکہ اس بات کا گمان کیا جاتا تھا کہ یہ اہلبیتؑ سے منسوب ہیں اور ان کے افکار و افعال شریعت کے زیر سایہ انجام پا رہے ہیں اور عوام کے جاہل طبقہ میں اس بات کی تشہیر و ترویج بھی ہو رہی تھی، اس ٹکڑی میں بہت سارے افراد آ کر شامل ہو گئے، اور ان کے باطل اہداف

کے سیلاب میں اس وقت سارے افراد فکری سیلاب زدگی کے شکار ہو گئے جس کے سبب اہل بیتؑ نے ان انحرافی افکار، باطل عقائد سے لوگوں کو منع کیا تھا، یہاں تک شیعیت اپنے اصلی چہرے اور واقعی راہ ورسم پر گامزن ہوگئی ہر چند کہ مخالفین ومعاندین نے اس کے حسین چہرہ کو مسخ کرنا چاہا تھا، جب کہ منحرفین اور گمراہوں کی یہ ناکام کوششیں حالات کے تحت تھوڑی بہت اثر انداز ہوئی تھی۔

منحرفین کی اہم ترین سازش یہ تھی کہ سلاطین دہر نے ان کو خفیہ طور پر استعمال کیا تھا تا کہ ان کے ذریعہ شیعیت میں پھوٹ پڑ جائے اور انھیں ارادوں کے تحت کچھ فرقوں نے جنم لیا جو حقیقی شیعیت سے بالکل جدا تھے، نیز ان فرقوں اور گروہوں میں غلو کرنے والے بھی شریک تھے جو کہ کچھ برے ارادہ وعقائد کے ساتھ مذہب تشیع میں گھس گئے ہم ان کا مختصر سا تعارف کرائیں گے اور اس کے بعد ان کے سلسلہ میں ائمہ علیہم السلام کے آراء ونظریات پیش کریں گے۔

قارئین محترم! آپ جان چکے ہیں کہ بارہ امام سے تمسک گویا عملی پیروی ہے جن کے بارے میں نص نبوی موجود ہے کہ یہ (اہلبیتؑ) وہ لوگ ہیں جن سے خدا نے ہر طرح کے رجس کو دور رکھا ہے اور ان کی طہارت کا اعلان کیا ہے۔

اور یہ وہی (عقیدہ) ہے جو شاہراہ نص کی تصویر کشی کرتا ہے اور اس سے جدا ہو کر خط اجتہاد پر جانے نہیں دیتا، مگر یہ کہ بعض افراد اس پر قائم ودائم نہ رہ سکے، درمیان راہ ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے اور ''زیدیہ، اسماعیلیہ'' فرقوں سے جا ملے جو کہ اثنی عشریوں کے کچھ عقیدوں میں تو ساتھ چلے پھر بقیہ عقائد میں ساتھ چھوڑ دیا۔

ان کے عقائد کا خلاصہ آپ کے پیش خدمت ہے:

۱۔ زیدیہ، یہ لوگ تمام اصحاب رسولؐ پر حضرت علیؑ کی افضلیت کے قائل ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ابوبکر وعمر کی صحت خلافت کے بھی قائل ہیں اور برتر پر کم تر کے تقدم کو جائز سمجھتے ہیں اور اس بات کے معتقد ہیں کہ حسین بن علیؑ کی امامت کے بعد اولاد حضرت زہراؑ میں جو شخص بھی عالم،

زاہد، شجاع ہو اور تلوار کے ذریعہ قیام کرے اس کو حق امامت حاصل ہے۔

زیدیہ ہی کی ایک شاخ ''جارودیہ'' ہے جو حضرت علیؑ کی افضلیت کے قائل ہیں اور کائنات ہست و بود میں کسی کو بھی ان کے ہم پلہ نہیں سمجھتے اور جو اس بات کا قائل نہ ہو اس کو کافر گردانتے ہیں اور حضرت علیؑ کی بیعت نہ کرنے کے سبب اس وقت پوری امت کفر کی شکار ہوگئی، یہ لوگ حضرت علیؑ کے بعد امامت حضرت امام حسنؑ اور ان کے بعد حضرت امام حسینؑ کا حق سمجھتے ہیں، ان دونوں کے بعد ان کی اولادوں کی کمیٹی کے تحت جو مستحق امامت ہوگا وہی امام ہے۔(۱)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ زیدیہ کا عقیدہ شیعیت سے عمومی طور پر تھوڑا بہت میل کھاتا ہے جو کہ ان کو بغدادی معتزلہ اور بعض بصریوں سے جدا کرتا ہے، اس حوالہ سے یہ باتیں گذر چکی ہیں۔

۲۔اسماعیلیہ، یہ وہ لوگ ہیں جو امام صادق کے بعد امامت کو ان کے بیٹے اسماعیل کو امام سمجھتے ہیں جب کہ اسماعیل اپنے باپ (امام صادق) کی حیات ہی میں گذر گئے اور ان لوگوں نے یہ مان لیا کہ اسماعیل مرے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کو موت آسکتی ہے جب تک وہ پوری دنیا پر حکومت نہ کرلیں۔

یہ اس بات کے معتقد ہیں کہ قرآن کا ظاہر و باطن الگ الگ ہے، لہٰذا سماوات سبع (سات آسمانوں) والارضون السبع (زمین کے ساتوں طبق) سے مراد، یہ ساتوں امام ہیں (حضرت علیؑ سے لیکر امام صادقؑ کے بعد ان کے بیٹے اسماعیل)، قواعد عقائد آل محمدؑ میں لکھا ہے کہ شریعت کے باطن کو امام اور نائب امام کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا، لہٰذا یہ جو حشر نشر وغیرہ کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ سب کے سب رموز و اسرار ہیں اور اس کے بواطن (پیچیدگیاں) ہیں، غسل یعنی امام سے تجدید عہد، جماع یعنی باطن میں امام سے کوئی معاہدہ نہیں ہے، نماز سے مراد امام کی سلامتی کی دعا، زکوٰۃ یعنی علم کی نشر و اشاعت اور اس کے حاجت مندوں تک اس کو پہنچانا، روزہ یعنی اہل ظاہر سے ظلم کو چھپانا، حج یعنی علم

(۱) تاریخ الفرق الاسلامیہ، الفرق بین الفرق، ص ۳۹

حاصل کرنا، نبی کعبہ کی مانند ہیں اور حضرت علی اس کے دروازے ہیں، صفا یعنی نبی، مروہ یعنی علی، میقات یعنی امام، لبیک کہنا (دوران حج) بلانے والے کے باطن کا جواب دینا، طواف کعبہ یعنی اہلبیت رسول کے بیت الشرف کا سات چکر لگانا اور ان جیسے بہت سارے عجیب وغریب عقائد کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں۔(۱)

اگر ہم ان فرقوں کو بغور ملاحظہ کریں تو اس بات کا انکشاف ہوگا کہ وہ شیعیت جس کی بنیاد رسول اکرمؐ نے ڈالی تھی اور آج تک اپنے آب وتاب کے ساتھ پیغام رسالت کی حامل اور اثنا عشری عزائم وعقائد کا مرکز ہے ان لوگوں کا شیعہ فرقوں سے کوئی واسطہ نہیں۔

غلو اور غلو کرنے والے!

اس بحث کو چھیڑنے کا مقصد غلو کرنے والے اور اس کے فرقوں کی نقاب کشائی ہے اور وہ اختلاط جو متقدمین ومتاخرین علماء نے اس فرقہ اور شیعیت کے درمیان جان بوجھ کر یا انجانے میں پیش کیا ہے ان کو بیان کرنا مقصود ہے، ان علماء نے غلو کرنے والوں کے بہت سارے عقائد کو شیعہ اثنا عشری فرقہ کی جانب نسبت دی ہے. بعض نے ان کو "رافضی" کے لفظ سے یاد کیا ہے بظاہر دقت کلام شیعوں سے کنارہ کشی اختیار کی ہے اور ان پر لعن طعن کیا ہے، ان لوگوں نے غلو کرنے والے (فرقۂ غالیہ) کے مختلف عقائد اور دوسرے فرقہ کے عقائد کو رافضہ یا روافض کے عقائد کے نام سے یکجا کردیا ہے۔

جیسا کہ ابن تیمیہ نے بہتیرے فاسد و باطل عقائد اور عجیب وغریب باتوں کو رافضیوں کے نام ایسا منسوب کیا ہے کہ قاری کے ذہن میں یہ بات ایسے راسخ ہوجائے کہ یہ شیعوں کے عقائد ہیں، لیکن چند صفحات سیاہ کرنے کے بعد کچھ یوں اظہار نظر کرتے ہیں:

(۱) قواعد عقائد آل محمد، ص ۸، اختصار کے ساتھ.

''جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ شیعوں کی قسموں میں جو لائق مذمت اقوال وافعال جو کہ مذکورہ باتوں سے کہیں زیادہ ہیں یہ سب کے سب نہ ہی شیعہ اثنی عشری فرقہ میں ہیں اور نہ ہی زیدیہ میں، بلکہ ان میں سے زیادہ تر فرقۂ غالیہ اور ان کے سطحی افراد میں پائی جاتی ہیں۔(۱)

مشکل اس بات کی ہے کہ یہ سارے منحرف اور غلاۃ گروہ اہل بیت سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے اوران خرافاتی گروہ کا مرکز شہر کوفہ تھا اور یہ شر پسند افراد اپنے تمام تر عقائد میراث میں پائے تھے اور اپنے شہر ''مانویہ، ثنویہ'' سے کسب کیا تھا جو کہ مجوسیوں کے تراشیدہ وخود ساختہ عقائد تھے، نیز حلول، اتحاد، تناسخ (آواگون)، جیسے عقائد ہندوستان کے فرسودہ عقائد کا چربہ تھا یا اس کے مانند دیگر ممالک جو اسی دسترخوان کے نمک خوار تھے، انھیں سب اسباب کے تحت یہ باطل عقائد فطری طور پر منحرف اور سادہ لوح افراد کے درمیان بہت تیز پھیلے، جب انھوں نے عام مسلمانوں بالخصوص شیعیان کوفہ کو اہلبیت کرامؑ کے لطف وکرم سے فیضیاب ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنے آپ کو اہلبیتؑ سے منسوب کردیا اور خود کو ان کا شیعہ ظاہر کیا، تاکہ لوگوں کے دل لگاؤ کو اپنی طرف متوجہ کرسکیں، جس کے سبب ان کے عقائد کی ترویج میں ان کو آسانی ہوئی۔

جبکہ اہلبیتؑ نے ان خطوط سے لوگوں کو ہوشیار اور مسلمانوں وشیعوں کو غلاۃ کی مکاریوں سے آگاہ بھی کیا جیسا کہ گذر چکا ہے، مزید کچھ ذکر آئے گا۔

غلو کے سلسلہ میں جو اصل مشکل ہوئی وہ یہ کہ اس کے مفہوم کی حد بندی نہیں ہوئی اور واضح نہ ہوسکا جس کا فطری اثر خلط عقائد ہوا، لہٰذا ان امور کی وضاحت ضروری ہے۔

غلو کے لغوی معنیٰ: قصد وارادہ کے ساتھ نکلنا اور حد سے بڑھ جانا ہے، لہٰذا ہر وہ چیز جو حد سے باہر نکل جائے وہ غلو ہے۔

....

(۱) منہاج السنۃ النبویہ، ج ۱، ص ۵۷

ابن منظور کے بقول: اس نے دین وامر میں غلو کیا یعنی، حد سے باہر نکل گیا۔

غلو قرآن کی نظر میں: ﴿لا تغلوا فی دینکم...﴾ دین میں غلو نہ کرو۔

بعض لوگوں نے کہا: "فلاں شخص نے اس امر میں غلو کیا" یعنی وہ حد سے گذر گیا اور تفریط سے کام لیا۔(۱)

اصطلاح میں اس کی کوئی جامع و مکمل تعریف دستیاب نہ ہو سکی، لیکن علماء کے نظریات و تعریف کی روشنی میں جو کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ: کچھ افراد کے سلسلہ میں قصد وارادہ کے ساتھ حد سے بڑھ جانا یا ان کو ان کی حیثیت سے زیادہ مرتبہ دینا۔

فضیلت و کمال میں غلو کرنا یعنی اس کو اس حد تک بڑھا دینا کہ نبوت والوہیت کے مرتبہ تک پہنچ جائے تو اس کو ایک قسم کا غلو کہیں گے۔

بنی امیہ کے دور حکومت میں بعض حدیثیں صرف بغض وحسد کے سبب کچھ اصحاب کی شان میں گڑھ دی گئیں اور ان کا اصل مقصد صرف اہلبیتؑ کے فضائل کو مٹانا اور ان کو ان کے مراتب سے گھٹانا تھا۔

جیسا کہ مدائنی ونفطویہ جیسے علماء اہل سنت نے اس بات کا اعتراف کیا ہے، مثلاً عمر بن الخطاب کے فضائل، یا ان لوگوں کا یہ کہنا کہ خدا سارے لوگوں پر اپنا نور آشکار کرتا ہے لیکن ابوبکر پر عنایت خاص تھی، یا یہ کہ آسمان کے فرشتے عثمان سے حیاء کرتے ہیں اس کے علاوہ ام المومنین عائشہ وطلحہ وزبیر کی قصیدہ خوانی، کہ جنھوں نے حضرت علیؑ جیسے واجب الطاعہ امام کے خلاف جنگ کی۔

بعض صوفیوں نے اپنے پروؤں اور مریدوں کے بارے میں نہایت ہی رکیک باتیں مشہور کیں اور ان کو بسا اوقات انبیاء سے بھی بڑھا دیا، اور مذاہب اربعہ کے ماننے والوں نے اپنے اماموں کے لئے تو بہت کچھ تیار کر ڈالا اور ان کی شان میں از حد غلو سے کام لیا۔

---

(۱) لسان العرب، ج۱۵، ص۱۳۲

روندیہ فرقہ نے بنی عباس کے سلسلہ میں کفر کی حد تک غلو کیا، اس فرقہ نے اس بات کا دعوی کیا ہے کہ ابو ہاشم نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کو وصی بنایا تھا، اس لئے کہ یہ ''شراہ'' نامی مقام جو کہ ملک شام میں ہے، وہیں ان کے پاس مرے تھے اور علی اس وقت چھوٹے بھی تھے لہٰذا وہی امام وہی خدا ہیں وہی ہر چیز کے عالم کل ہیں، جو ان کو پہچان لے وہ جو چاہے انجام دے سکتا ہے، اس کے بعد محمد بن علی نے اپنے بیٹے ابراہیم بن محمد ملقب بہ امام کو وصی بنایا، یہ فرزندان عباسی کی پہلی فرد ہیں جن کو امامت ملی، ابو مسلم خراسانی نے بھی اس بات کا دعویٰ کیا ہے۔

اس کے بعد ابراہیم نے اپنے بھائی ابو العباس عبداللہ بن محمد ملقب بہ سفاح کو وصی بنایا، یہ عباسی سلسلہ کا پہلا خلیفہ تھا، اس نے اپنے زمانے میں اپنے بھائی ابو جعفر عبداللہ بن محمد منصور کو وصی بنایا اس نے اپنے بیٹے مہدی بن عبداللہ کو وصی بنایا اس نے ولایت سنبھالتے ہی وصیت کو بدل دیا اور اس بات کا منکر ہوا کہ نبی نے محمد بن حنفیہ کو وصی نہیں بنایا تھا، بلکہ رسولؐ نے عباس بن عبدالمطلب کو وصی بنایا تھا، کیونکہ عباس رسولؐ کے چچا اور ان کے وارث تھے نیز اور لوگوں کے بہ نسبت زیادہ رسولؐ سے قریب تھے، ابوبکر وعمر وعثمان وعلیؑ جو کہ رسولؐ کے بعد خلیفۂ رسولؐ بنے یہ سب غاصب تھے اور حکومت کو ان سے چھین لیا تھے، اس نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ رسول کے بعد امامت کا حق عباس کا تھا ان کے بعد ان کے وارث، عبداللہ بن عباس، پھر ان کے بیٹے علی بن عبداللہ، پھر ابراہیم بن محمد الامام، پھر ان کے بھائی عبداللہ، پھر ان کے بھائی ابو العباس، پھر ان کے بھائی ابی جعفر منصور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔

عبداللہ روندی کے بارے میں روندیہ فرقہ کا کہنا ہے: امام، یعنی ہر شیء کا عالم اور وہی خداوند عالم ہے جو ہر ایک کو موت وحیات دینے والا ہے، ابو مسلم خراسانی اللہ کے رسول اور عالم غیب ہیں، ابو جعفر منصور نے ان کو رسالت عطا کی تھی کیونکہ وہ الوہیت کے درجہ پر فائز تھے اور وہ ان کے اسرار ورموز سے واقف تھے، منصور کے رسولوں نے دعوت کا اعلان کیا۔

جب منصور کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک گروہ کو طلب کیا تو انھوں نے اس بات کا اقرار کیا، اس نے اس بات سے توبہ اور روگردانی کا حکم دیا تو انھوں نے کہا کہ منصور ہمارا خدا ہے وہی ہم کو شہید کرتا ہے، جس طرح سے انبیاء و مرسلین جن کے ہاتھوں وہ چاہتا ہے، شہید کئے گئے، اور ان میں سے بعض کے عمارت ڈھا کر یا غرق کر کے ہلاک کیا، بعض کے اوپر درندے چھوڑ دیے، بعض کی روحوں کو حادثاتی یا دل بخواہ علتوں سے قبض کرلیا، وہ اپنی مخلوقات کے ساتھ جیسا چاہے برتاؤ کراسی کو اختیار ہے اس سے کسی بات کا سوال نہیں ہوگا۔(۱)

اسلام سے قبل ادیان و مذاہب میں بھی غلو پایا جاتا تھا۔

یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کی الوہیت کا دعویٰ کیا، جس کو روایات نے بھی بیان کیا ہے اور قرآن نے بھی اس کی عکاسی کی ہے۔

﴿أو كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ﴾(۲)

(یا اس بندے کے مثال جس کا گذر ایک بستی ہوا جس کے عرش و فرش گر چکے تھے تو اس بندے نے کہا کہ خدا ان سب کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا تو خدا نے اس بندہ کو سو (۱۰۰) سال کے لئے موت دیدی اور پھر زندہ کیا)۔

قرآن کریم نے ان کے خرافاتی نظریہ کو کچھ یوں نقل کیا ہے:

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابنُ اللَّهِ﴾(۳)

---

(۱) فرق الشیعہ، نوبختی، ص ۵۰۔۴۶

(۲) سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۹

(۳) سورۂ توبہ، آیت ۳۰

(یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں)۔

روایات اس بات کی حکایت کرتی ہیں کہ حضرت عزیر کے توسط سے کچھ ایسے معجزات رونما ہوئے جس کے سبب یہودی یہ کہنے لگے کہ ان میں الوہیت پائی جاتی ہے یا اس کا کچھ جزء شامل ہے، یہودیوں کے مثل نصاریٰ کے یہاں بھی ایسے نظریات پائے جاتے ہیں، انھوں نے حضرت عیسیٰ کے سلسلہ میں غلو کیا اور ان کی الوہیت کا دعویٰ کیا، قرآن کریم نے گذشتہ آیت میں یہودیوں کے نظریات کے فوراً بعد ان کے نظریات کا تذکرہ کیا ہے:

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارىٰ الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُم ... يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبلِ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤفَكُونَ﴾(۱)

(اور یہودیوں کا کہنا ہے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں یہ سب ان کی زبانی باتیں ہیں ان باتوں میں وہ بالکل ان کے مثل ہیں، جو ان کے پہلے کفار کہتے تھے اللہ ان سب کو قتل کرے یہ کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں)۔

اسی سبب قرآن نے ان کی مذمت کی اور ان باطل خیالات وخرافات کی تنبیہ کی ہے۔

قال اللّٰہ: ﴿يَا أَهلَ الْكِتَابِ لاتَغلُوا فِي دِينِكُم وَ لاتَقُولُوا عَلىٰ اللّٰهِ إِلا الْحَقَّ﴾(۲)

(اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور خدا کے بارے میں حق کے علاوہ کچھ نہ کہو) یہ بات بالکل ممکن تھی کہ غلو مسلمین میں سرایت کر جائے، کیونکہ اہل کتاب کی شر پسندیاں ان کے فاسد و باطل عقائد سے واضح ہیں۔

---

(۱) سورۂ توبہ، آیت ۳۰

(۲) سورۂ نساء، آیت ۱۷۱

دوسری جانب وہ دوسری اشرار قومیں جو مجوسیت اور دیگر ادیان سے خارج ہوکر اسلام میں داخل ہوئیں تھیں اور اسلام کا دکھاوا کررہیں تھیں۔

نیز اہل کتاب اور دیگر افراد جنھوں نے بظاہر اپنی گردنوں میں قلادۂ اسلام ڈال رکھا تھا، انھوں نے ضعیف الایمان مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھ کر ان کے درمیان غلو جیسے باطل عقیدہ کو خوب ہوا دی، درحقیقت یہ اسلام کو اندر ہی اندر کچل ڈالنے کی ناکام کوشش کررہے تھے۔

غلو سے اسلامی فرقے محفوظ نہیں ہیں، ان فرقے کے علماء وغیرہ نے اپنے بزرگوں کی ثنا خوانی میں عقل کی شاہراہ کو چھوڑ دیا اور حدود منطق سے یکسر خارج ہوگئے۔ (۱)

---

(۱) بعض افراد کے نظریات:

وہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے ابوحنیفہ کو شریعت وکرامت سے نوازا ہے ان کی کرامات میں سے یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ہر صبح ان کے پاس آتے تھے اور احکام شریعت کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور یہ سلسلہ پانچ سال تک قائم تھا. جب ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت خضر نے خدا سے دعا کی، خدایا! اگر تیری بارگاہ میں میری کوئی قدرومنزلت ہے تو اس کے سبب، ابوحنیفہ کو اجازت دیدے تاکہ وہ قبر میں رہ کر حسب عادت مجھے کچھ تعلیم دیتے رہیں اور میں شریعت محمدؐ کی مکمل تعلیم حاصل کرلوں، اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا اور حضرت خضر نے ان سے پچیس سال علم حاصل کیا جب حضرت خضر کی تعلیم مکمل ہوگئی تو خدا نے حکم دیا کہ قشیری کے پاس جاؤ اور جو کچھ ابوحنیفہ سے سیکھا ہے ان کو سکھاؤ۔

حضرت خضر نے جو کچھ ابوحنیفہ سے سیکھا تھا قشیری کو سکھایا اس کے بعد انھوں نے ایک ہزار (۱۰۰۰) کتاب تصنیف کی، اور یہ جیحون نامی نہر کی آغوش میں بطور امانت رکھی ہے جب حضرت عیسیٰ چرخ چہارم سے آئیں گے تو اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں گے، اس لئے کہ جس زمانے میں حضرت عیسیٰ آئیں گے سروست شریعت محمدی کی کوئی کتاب میسر نہ ہوگی حضرت عیسیٰ جیحون کی امانت کو واپس لیں گے وہ قشیری کی کتاب ہوگی، الاشاعۃ فی الشراط الساعۃ، ص۱۲۰، الیا قوتۃ، ابن الجوزی، ص۴۵۔

ابوحنیفہ کی موت پر جناتوں نے گریہ کیا ان کے پاس ثبوت ہے کہ جس رات ابوحنیفہ مرے تھے اس رات گریہ کی آواز آرہی تھی مگر رونے والا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

....

....

ذهب الفقه فلا فقه لکم فاتقوا اللّٰہ و کونوا خلفاء

مات نعمان فمن هذا الذی یحیی اللیل اذا ما سدفا

آکام المرجان، قاضی شبلی، ص ۱۳۹۔

(فقہ ختم ہوگئی اب تمہارے پاس کوئی فقہ نہیں تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور ان کے خلف صالح بنو۔

نعمان گذر گئے ان کے مثل کون ہوگا جو راتوں کو جاگتا تھا جب رات کی تاریکی پھیل جاتی تھی)۔

وہ اس بات کے قائل ہیں کہ، احمد بن حنبل امام المسلمین سید المومنین ہیں انھیں کے ذریعہ ہم کو موت وحیات ملتی ہے اور انھیں کے ذریعہ ہمارا معاد ہوگا اور جو اس نظریہ کا قائل نہیں ہے وہ کافر ہے۔ ذیل طبقات الحنابلہ، ج ۱، ص ۱۳۶۔

انھوں نے احمد بن حنبل کے بغض کو کفر اور محبت کو سنت قرار دیا ہے اور اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کسی شخص کو ان کی محبت میں سرشار پاؤ تو سمجھو کہ یہ سنت و جماعت کا پیروکار ہے۔ الجرح والتعدیل، ج ۱، ص ۳۰۸۔

شافعی کی طرف نسبت دے کر کہتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ جو احمد بن حنبل سے بغض رکھے وہ کافر ہے۔ ان سے کسی نے کہا کہ کیا اس پر کفر باللہ صادق آئے گا؟ تو آپ نے کہا: ہاں۔ جو شخص ان سے بغض رکھے گویا صحابہ سے عناد رکھتا ہے۔ جس نے صحابہ سے دشمنی کی گویا اس نے رسول سے عداوت برتی اور جس نے رسولؐ سے عداوت کی وہ کافر ہے۔ طبقات الحنابلہ، ج ۱، ص ۱۳۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمد ابن حنبل سے بغض رکھنے والا اللہ کا منکر ہے۔ ابن جوزی نے علی بن اسماعیل سے نقل کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ قیامت برپا ہے سارے لوگ ایک پل کے پاس جمع ہیں اور کوئی شخص اس سے گذر نہیں سکتا جب تک اس ایک پروانہ مل نہ جائے کونے میں ایک شخص ہے جو پروانہ عطا کرتا ہے جو اس کو لے کر آتا ہے اس سے گذر جاتا ہے میں نے پوچھا: یہ کون شخص ہے جو پروانے عطا کرتا ہے؟

لوگوں نے جواب دیا: یہ احمد ابن حنبل ہیں۔ مناقب ابن الجوزی، ص ۴۳۶۔

اسود ابن سالم کہتا ہے کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اسود، اللہ نے تم کو سلام کہا ہے اور تم کو پیغام دیا ہے کہ احمد بن حنبل کے ذریعہ امت گناہوں سے بچی ہے لہٰذا تم کیا کر رہے ہو؟ اگر تم ان سے متمسک نہ ہوئے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

حسن صواف کہتا ہے کہ میں نے خدا کو خواب میں دیکھا اس نے مجھ سے کہا: جس نے احمد بن حنبل کی مخالفت کی وہ مستحق عذاب ہے۔ مناقب احمد بن حنبل، ص ۴۶۶۔

....

....

ابو عبد اللہ جستانی کہتا ہے کہ میں نے رسول اکرم کو خواب میں دیکھا اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ کے بعد اس امت میں آپ کا خلیفہ ونمائندہ کون ہے تا کہ دین میں اس کی اقتدا کریں؟

تو آپ نے فرمایا: احمد بن حنبل کی پیروی کرو. مناقب احمد بن حنبل، ص ۲۶۸۔

امام مالک نے خود اپنے خوابوں کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ'' کوئی ایسی رات نہیں بیتی جس میں ہم نے رسول کو نہ دیکھا ہو. الدیباج، ص ۲۱۔

خلف بن عمر کہتا ہے: میں امام مالک کے پاس گیا تو انھوں نے کہا کہ میرے مصلے کے نیچے دیکھو کیا ہے. میں نے اس کے نیچے ایک کتاب پائی. انھوں نے کہا: اس کو پڑھو! اس میں وہ سارے خواب ہیں جس کو برادران نے دیکھا ہے، پھر انھوں نے کہا کہ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ رسولؐ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور لوگ ان کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے ہیں آپؐ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ہم نے تم لوگوں سے علم خوشبو چھپالی، اور اب مالک کو حکم دیتا ہوں کہ اس کو لوگوں میں پھیلائیں لوگ وہاں سے یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ اب مالک حکم رسولؐ کے مطابق نفاذ حکم کریں گے'' اس کے بعد مالک روئے اور میں ان کے پاس سے چلا آیا۔ مناقب مالک، ص ۸، حلیۃ الاولیاء، ج ۶، ص ۳۱۶۔

محمد بن رمح کہتا ہے: کہ میں نے اپنے باپ کے ساتھ حج انجام دیا ابھی میں بالغ بھی نہیں ہوا تھا اور میں مسجد نبی میں قبر رسول ومنبر رسولؐ کے درمیان سو گیا. میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم عمر وابو بکر کے شانوں کا سہارا لئے قبر سے باہر آئے میں نے ان سب کو سلام کیا، انھوں نے جواب سلام دیا۔

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کہاں جانے کا قصد رکھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: مالک کے لئے صراط پر کھڑے ہونے جا رہا ہوں، میری آنکھ کھل گئی اس کے بعد میں اور میرے والد مالک کے پاس گئے تو کیا دیکھا لوگ ان کے پاس جمع ہیں. انھوں نے سب سے پہلے لوگوں کے لئے موطا لکھی، مناقب مالک، عیسیٰ بن مسعود مرز واوی، ص ۱۷۔

محمد بن رمح ہی اس بات کا ناقل ہے کہ میں نے چالیس سال کی عمر میں بھی رسول کو خواب میں دیکھا اور عرض کی: یا رسول اللہ! مالک اور لیث نے ایک مسئلہ پر اختلاف کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مالک میرے جد ابراہیم کے میراث کے وارث ہیں۔ الجرح والتعدیل، ج ۱، ص ۲۸۔

بشیر ابن ابی بکر کہتا ہے کہ: میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہو گیا ہوں میں نے اوزاعی اور سفیان ثوری کو دیکھا لیکن امام مالک نظر نہ آئے، میں نے پوچھا: مالک کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا: مالک کہاں ہیں؟ مالک بلند

....

....

ہوئے، بلند ہوئے. وہ کہتا جارہا تھا کہ مالک ہاں ہیں؟ مالک ہاں ہیں؟ مالک بلند ہوئے جاتے تھے اور اتنی بلندی تک پہنچ گئے کہ اگر دیکھوتو ٹوپی گر جائے. الجرح والتعدیل، ج۱،ص ۲۸۔

ابونعیم نے ابراہیم بن عبداللہ سے اسماعیل بن مزاحم مروزی کی بات کو نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے: کہ میں نے خواب میں رسول اللہ کو دیکھا تو میں نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ کے بعد کس سے مسائل دریافت کریں؟ تو آپؐ نے فرمایا: مالک ابن انس. حلیۃ الاولیاء، ج۶،ص ۳۱۷۔

مصعب بن عبداللہ زبیری کہتا ہے کہ: جب ایک شخص رسولؐ کے پاس آیا تو آپ کو فرماتا سنا کہ تم میں مالک کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ. آپ نے ان کو سلام کیا گلے سے لگایا سینے سے چمٹایا. وہ کہتا ہے کہ: خدا کی قسم کل میں نے رسول کو اسی جگہ بیٹھے دیکھا تھا. اس وقت آپ نے حکم دیا مالک کو بلاؤ جب آپ آئے تو آپ کے اعضاء کانپ رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ: اے اباعبداللہ! تم کو کچھ ایسا نہیں ہونا چاہیئے ہم تمہارے ساتھ ہیں. اس کے بعد حکم دیا بیٹھ جاؤ، آپ بیٹھ گئے، پھر حکم دیا اپنا دامن پھیلاؤ آپ نے پھیلایا، رسولؐ نے آپ کے دامن کو مشک سے بھر دیا اور حکم دیا اسکو سینہ سے لگالو اور میرے امت میں اس کو تقسیم کرو. مصعب کہتا ہے کہ: مالک یہ سن کر بہت روئے اور فرمایا کہ خواب سرور بخش ہوتے ہیں دھوکہ باز نہیں. اگر تمہارا خواب صحیح ہے تو یہ وہی علم ہے جس کو خدا نے ہمیں عطا کیا ہے. الانتقاء، ص ۳۹، شرح موطأ، زرقانی، ج۱،ص ۴

عدوی کہتا ہے کہ: جب ہماری امت واسلام کے شیخ اللقانی دنیا سے گذر گئے تو بعض متدین افران نے ان کو خواب میں دیکھا کسی نے پوچھا خدا نے کیا برتاؤ کیا ہے. تو انھوں نے جواب دیا: جب قبر میں دونوں فرشتوں نے بٹھایا تاکہ سوال کریں اس دم امام مالک تشریف لے آئے اور پوچھا کہ کیا ایسے افراد کے ایمان کے سلسلہ میں بھی سوال کی ضرورت ہے؟ ان سے تم دونوں دور ہو جاؤ. دور ہو جاؤ. مشارق الانوار، عدی، ص ۲۲۸۔

انھیں لوگوں میں سے منقول ہے کہ: رسول اکرمؐ نے مالک کی کتاب کا نام موطأ رکھا ہے آپؐ سے جواب میں سوال کیا گیا کہ لیث ومالک کسی مسئلہ پر اختلاف رائے رکھتے ہیں ان میں کون عالم ہے؟ تو نبیؐ نے فرمایا: مالک میرے جد ابراہیم کے وارث ہیں. مناقب مالک، زاوی، ص ۱۸۔

اس شخص نے دوبارہ رسول اکرمؐ سے خواب میں پوچھا: کہ آپ کے بعد کس سے مسائل دریافت کریں تو آپ نے فرمایا: مالک ابن انس. مناقب مالک زاوی، ۱۸، ماخوذ، الامام الصادق والمذاہب الاربعہ، اسد حیدر۔

جیسا کہ اسلام سے پہلے کے ادیان غلو سے محفوظ نہیں رہ سکے چنانچہ ان کے عقائد ونظریات سے واضح ہے، اسی طرح اسلامی فرقے اس کی لپیٹ میں آ گئے، مگر یہ کہ بعض مورخین و سیرت نگاروں نے غلو کو صرف ایک فرقہ کی جانب منسوب کر دیا کہ فرقہ شیعہ اس میں گرفتار ہے یہ کام اس راہ پر چلتے ہوئے انجام دیا گیا، جس کو شر پسند حکومتوں نے مذہب اہلبیتؑ کے خلاف کئی صدیوں سے قائم کر رکھا تھا۔

جب کہ ہم نے اثنا عشری عقائد کو خلاصہ کے طور پر پیش کیا ہے، توحید، خدا کا پاک و منزہ ہونا جو کہ شیعیت کے اصلی وحقیقی عقائد میں سے ہے اس کو بیان کیا ہے، ہم عنقریب غلو کے سلسلہ میں شیعہ متقدمین ومتاخرین ومعاصرین علماء کے نظریات کو بیان کریں گے تا کہ غلو وغلاۃ کے سلسلہ میں شیعہ اثنا عشری فرقہ کا نظریہ واضح ہو جائے۔

شیخ مفید کہتے ہیں: غلاۃ اسلام کا دکھاوا کرنے والے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے امیر المومنین اور ان کی اولاد پاک کے سلسلہ میں الوہیت و نبوت کی نسبت دی اور ان کے حوالے سے فضیلت کی وہ نسبت دی جو حد سے گذر جانے والی ہے وہ گمراہ و کافر ہیں، امیر المومنین نے ان کے قتل اور آگ میں جلا دینے کا حکم دیا ہے، ائمہ کرامؑ نے ان کے کفر اور اسلام سے خارج ہونے کا فیصلہ دیا ہے۔(۱)

شیخ صدوق فرماتے ہیں: غلاۃ اور مفوضہ کے سلسلہ میں ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ کافر باللہ ہیں یہ لوگ اشرار ہیں جو یہودی، نصاریٰ، مجوسی، قدریہ، حروریہ سے بدتر ہیں یہ تمام بدعتوں اور گمراہ فکروں کے پیرو کار ہیں۔(۲)

محقق حلی کہتے ہیں: غلاۃ اسلام سے خارج ہیں گو کہ انھوں نے اسلام کا بظاہر اقرار کر رکھا ہے۔(۳)

---

(۱) تصحیح الاعتقاد، ص ۹۳

(۲) اعتقادات، ص ۱۰۹

(۳) المعتبر، ج ۱، ص ۹۸

نراقی کہتے ہیں: غلاۃ کی نجاست میں کسی قسم کا شک نہیں یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت علیؑ یا دوسرے افراد کی الوہیت کے قائل ہیں۔(۱)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ناصبیوں اور خارجیوں کی نماز میت پڑھنا جائز نہیں، اگر چہ اجماع کے حساب سے یہ لوگ اسلام کا اظہار واقرار کرتے ہیں۔(۲)

شیخ جواہری کہتے ہیں: غلاۃ، خوارج، ناصبی اور ان کے علاوہ دیگر افراد جو ضروریات دینی کے منکر ہیں یہ کبھی بھی مسلمین کے وارث نہیں ہو سکتے۔(۳)

آقا رضا ہمدانی فرماتے ہیں: وہ فرقہ جن کے کفر کا حکم دیا گیا ہے وہ غلاۃ کا ہے اور ان کے کفر میں شک وشبہ نہیں ہے اس بات کے پیش نظر کہ یہ لوگ امیر المومنینؑ اور دیگر افراد کی الوہیت کے قائل ہیں۔(۴)

اپنے وقت کے اعلم دوراں السید محمد رضا گلپائیگانیؒ نے مسئلہ ۲۴۸۷ میں فرمایا: کہ ذبح کرنے والے کے لئے شرط ہے کہ مسلمان ہو یا حکم مسلمان میں ہو یعنی مسلمان نطفہ سے پیدا ہوا ہو کافر، مشرک یا غیر مشرک کا ذبیحہ حلال نہیں ہے بنابر اقوی کتابی کا بھی ذبیحہ حلال نہیں ہے، اس میں ایمان کی شرط نہیں ہے۔

تمام اسلامی فرقوں کے ہاتھوں کا ذبیحہ حلال ہے سوائے ناصبیوں کے جن کے کفر کا مسئلہ واضح ہے یہ وہ لوگ ہیں جو علی الاعلان اہلبیتؑ سے دشمنی کا اظہار کرتے ہیں، ہر چند کہ یہ لوگ اسلام کا دکھاوا کرتے ہیں۔

---

(۱) مستند الشیعہ، ج ۱، ص ۲۰۴

(۲) مستند الشیعہ، ج ۶، ص ۲۷۰

(۳) جواہر الکلام، ج ۳۹، ص ۳۲

(۴) مصباح الفقیہ، ج ۹، ق ۲، ص ۵۶۸

انھیں کے مانند وہ گروہ بھی ہے جو اسلام کا دکھاوا کرتا ہے اور کفران کے لئے ثابت ہے، جیسے خوارج اور ناصبی۔(۱)

یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علماء شیعہ غلاۃ کے کفر اور ان کی نجاست کا حکم دے چکے ہیں اور ان کے سلسلہ میں فقہی مسائل بھی بیان کر دیئے ہیں، مثلاً ان کی نجاست، ان کے ذبیحہ حرام ہے اور یہ مسلمانوں کی میراث نہیں پاسکتے۔

جرح والتعدیل کے شیعہ علماء کا غلاۃ کے سلسلہ میں موقف نہایت واضح ہے۔

عبداللہ بن سبا

کشی نے ابن سبا کے حالات میں کہا ہے کہ اس نے ادعائے نبوت کیا اور اس بات کا معتقد تھا کہ علیؑ ہی خدا ہیں، اس سے تین دن تک توبہ کے لئے کہا گیا لیکن اس نے انکار کیا تو اس کو مزید ستر آدمیوں کے ساتھ جلا دیا گیا جو اس کے نظریہ کے قائل تھے۔(۲)

شیخ طوسی اور ابن داؤد نے کہا ہے کہ، عبداللہ بن سبا کفر کی طرف پلٹ گیا تھا اور غلو کا اظہار کرتا تھا۔(۳)

علامہ حلی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: (عبداللہ بن سبا) غلو کرنے والا ملعون تھا امیر المومنین نے اس کو جلا دیا تھا وہ اس بات کا معتقد تھا کہ حضرت علیؑ خدا ہیں اور نبی ہیں، خدا اس پر لعنت کرے۔(۴)

....

(۱) ہدایۃ العباد، ج۲، ص ۲۱۷

(۲) رجال کشی، ج۱، ص ۳۲۳، شمارہ ۱۷۰

(۳) رجال طوسی، ص ۵۱، رجال ابن داود، ص ۲۵۴

(۴) الخلاصہ، ص ۲۵۴

کشی نے ابان بن عثمان سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابا عبداللہ یعنی امام صادقؑ کو فرماتے سنا، خدا عبداللہ بن سبا پر لعنت کرے وہ حضرت امیرؑ کی ربوبیت کا قائل تھا جبکہ خدا کی قسم آپؑ خدا کے عبادت گذار خالص بندے تھے، ہم پر جھوٹ باندھنے والوں پر وائے ہو۔

ایک گروہ ہمارے بارے وہ کچھ کہتا ہے جو ہم اپنے بارے میں کبھی نہیں کہتے، ہم ان سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، ہم ان سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔(۱)

کشی نے امام صادق سے روایت نقل کی ہے، آپ نے فرمایا: ہم اہل بیت صدیق ہیں، ہم ان دروغ باتوں سے محفوظ ہیں جو ہماری جانب جھوٹ کی نسبت دیتے ہیں اور ہماری سچائی کو اپنے جھوٹ سے لوگوں میں مشکوک کرتے ہیں، رسول خداؐ لوگوں میں سب سے سچے تھے، مجسمۂ خیر تھے لیکن مسیلمہ آپؐ پر جھوٹ باندھتا تھا۔

بعد رسول اکرمؐ حضرت امیر المومنین سب سے بڑے صادق، لیکن عبداللہ بن سبا نے جھوٹ باتیں ان کی جانب منسوب کیں اور ان کی سچائی کو اپنے جھوٹ سے مخدوش کیا اور اللہ پر افتراء پردازی سے کام لیا۔(۲)

۲۔ جو کچھ گذر چکا اس سے اور آگے بحار الانوار میں درج ہے کہ:

امام حسین بن علیؑ مختار ثقفی کے سبب مشکلات سے دوچار ہوئے، پھر امام صادقؑ نے حارث شامی اور بنان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: یہ دونوں، حضرت امام سجادؑ پر جھوٹ باندھا کرتے تھے اس کے بعد مغیرہ بن سعید، بزیع، سری، ابوالخطاب، معمر، بشار الشعیری، حمزہ ترمذی اور صائد نہدی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے ہم پر ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی جھوٹ باندھنے والا رہا ہے، یا عاجز الرای رہا ہے۔

(۱) رجال کشی، ج۱، ص۳۲۴، شمارہ ۱۷۱

(۲) رجال کشی، ج۱، ص۳۲۴، شمارہ ۱۷۴

خدا نے ہم کو ہر جھٹلانے والے کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کو تہ تیغ کیا ہے۔(۱)

غلاۃ کے سلسلہ میں اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں کا موقف

پیغمبر اسلامؐ نے اصحاب کرام کو اپنی امت میں رونما ہونے والے فتنوں سے باخبر کر دیا تھا، انھیں امور میں سے ایک وہ راز تھا جس سے حضرت علیؑ کو آگاہ کیا تھا کہ ایک قوم تمہاری محبت کا اظہار کرے گی اور اس میں غلو کی حد تک پہنچ جائے گی اور اسی کے سبب اسلام سے خارج ہو کر کفر و شرک کی حدوں میں داخل ہو جائے گی۔

احمد بن شاذان سے اپنی اسناد کے ساتھ روایت ہے کہ امام صادقؑ نے آباء و اجداد سے انھوں نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے علی تمہاری مثال ہماری امت میں حضرت عیسیٰ کی سی ہے ان کی قوم نے ان کے بارے اختلاف رائے کر کے تین گروہ بنا لیا تھا، ایک گروہ مومن، وہ ان کے حواری تھے، دوسرا گروہ ان کا دشمن جو کہ یہودی تھے، تیسرا گروہ ان کا تھا جنھوں نے غلو کیا اور حد ایمان سے باہر نکل گئے، میری امت تمہارے بارے میں تین گروہ میں تقسیم ہوگی، ایک گروہ تمہارے شیعہ اور وہی مومنین ہیں، دوسرا گروہ تمہارے دشمن جو شک کرنے والے ہیں تیسرا گروہ تمہارے بارے میں غلو کرنے والے اور وہ منکرین کا گروہ ہوگا، علی جنت میں تم، تمہارے شیعہ، اور تمہارے شیعوں کے دوست مستقر ہوں گے، اور تمہارے دشمن اور غلو کرنے والے جہنم میں پڑے ہوں گے۔(۲)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۲۶۳

(۲) بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۲۶۵

غلاۃ کے بارے میں امیر المومنینؑ کا موقف

حضرت امیرؑ نے غلو کرنے والوں پر بہت پابندی لگائی ان پر لعنت بھیجی ان پر سختی کی ان سے برائت اختیار کی۔

ابن نباتہ سے روایت ہے کہ، امیر المومنینؑ نے فرمایا: خدایا میں غلو کرنے والوں سے ایسے ہی دور و بری ہوں جس طرح حضرت عیسیٰ نصاریٰ سے بری تھے، خدایا ہمیشہ ان کو ذلیل خوار کر اور ان میں سے کسی ایک کی نصرت نہ فرما۔ (۱)

آپؑ نے دوسری جگہ فرمایا: ہمارے سلسلہ میں غلو سے پرہیز کرو، کہو کہ ہم پروردگار کے بندے ہیں، اس کے بعد ہماری فضیلت میں جو چاہو کہو۔ (۲)

امام صادق سے روایت ہے کہ: یہودی علماء میں سے ایک شخص امیر المومنین کے پاس آیا اور کہا: اے امیر المومنین! آپ کا خدا کب سے ہے؟

آپ نے فرمایا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، میرا خدا کب نہیں تھا؟ جو کہ یہ کہا جائے کہ کب تھا! میرا رب قبل سے قبل تھا جب قبل نہ تھا، بعد کے بعد رہے گا جب بعد نہیں رہے گا، اس کی کوئی غایت نہیں اور اس کی غایت وانتہا کی حد نہیں، حد انتہا اس پر ختم ہے وہ ہر انتہا کی انتہا ہے۔

اس نے کہا: اے امیر المومنین کیا آپ نبی ہیں؟

آپ نے فرمایا: تجھ پر وائے ہو میں تو محمدؐ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔ (۳)

---

(۱) امالی شیخ طوسی، ص ۵۴

(۲) بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۲۷۰

(۳) اصول کافی، ج ۱، ۸۹

آپ نے فرمایا: حلال و حرام ہم سے دریافت کرو لیکن نبوت کی نسبت نہ دینا۔(۱)

غلاۃ اور امام زین العابدینؑ کا موقف

آپ نے فرمایا: جو ہم پر دروغ بافی کرے خدا کی لعنت ہو اس پر میں نے عبد اللہ ابن سبا کے بارے میں سوچا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اس نے بہت بڑی چیز کا دعویٰ کیا اس کو کیا ہو گیا تھا، خدا اس پر لعنت کرے، خدا کی قسم حضرت علیؑ خدا کے نیک بندے، رسول خداؐ کے بھائی تھے، ان کو کوئی بھی فضیلت نہیں ملی مگر اطاعت خدا و رسولؐ کے سبب، اور رسول خداؐ کو کرامت سے نہیں نوازا گیا مگر اطاعت خدا کے باعث۔

امام سجاد نے ابو خالد کابلی کو امت میں ہونے غلو سے باخبر کیا جس طرح سے یہود و نصاریٰ نے کیا تھا، آپ نے فرمایا: یہودی عزیر سے محبت کرتے تھے لہٰذا ان کے بارے میں وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو کچھ نہیں کہنا چاہیئے تھا، لہٰذا عزیر نہ ان میں سے رہے اور نہ وہ عزیر میں سے رہے، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ سے محبت کی اور وہ سب کچھ کہا جو ان کے شایان شان نہیں تھا، نہ ہی عیسیٰ ان میں سے رہے اور نہ وہ عیسیٰ سے رہے اور ہم بھی اس بدعت کے شکار ہوئے ہمارے چاہنے والوں میں سے ایک گروہ ہمارے بارے میں وہ باتیں کہے گا جو یہود نے عزیر کے لئے کہا اور نصاریٰ نے عیسیٰ کے لئے کہا، لہٰذا نہ وہ لوگ ہم میں سے ہیں اور نہ ہم ان لوگوں میں سے۔(۲)

غلاۃ اور امام محمد باقرؑ کا موقف

زرارہ نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا کہ آپ کو فرماتے سنا، خدا بنان کے بیان پر لعنت کرے،

---

(۱) بحار الانوار، ج ۲۶، حدیث و محدثین، ہاشم حسنی، ص ۲۹۹

(۲) رجال کشی، ج ۲، ص ۳۳۶

خدا بنان پر لعنت کرے، اس نے میرے باپ پر دروغ بافی کی، میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے والد علی بن الحسینؑ عبد صالح تھے۔(۱)

غلاۃ اور امام صادقؑ کا موقف

امام صادقؑ کے دور میں غلاۃ کا مسئلہ بہت بڑھ گیا تھا، انھیں کے پیش نظر امام نے اپنے شاگردوں کے درمیان مختلف علوم کی نشر و تعلیم شروع کردی، آپ کی آواز و تحریک آفاقی ہوگئی اور آپ کے شاگرد و پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا، لوگوں کو ان علوم سے آگاہ کرنے لگے جس سے وہ بالکل جاہل تھے، اور جو کچھ اپنے آباء اور رسول اکرمؐ سے سینہ بہ سینہ ملا تھا اس کو لوگوں کے دلوں تک منتقل کرنے لگے، اس کے سبب سطحی اور سادہ لوح افراد یہ سمجھے کہ امام غیب کا علم رکھتے ہیں اور غیب کا علم رکھنے والا الوہیت (خدائی) کے درجہ پر فائز ہوتا ہے، بعض فتنہ پرور افراد نے سادہ لوح افراد کو آلۂ کار بنایا تاکہ لوگوں کے عقائد کی تخریب کے سلسلہ میں اپنے اغراض کو پورا کرسکیں جو ان کا اصلی مقصد تھا، یہ کام خاص طور سے ان لوگوں سے لے رہے تھے جو ابھی ابھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ان کا تعلق سوڈان، زط وغیرہ سے تھا، جو اپنے ساتھ اپنے میراثی عقائد لیکر آئے تھے، اس طرح سے بعض مادی اور روحانی احتیاج کے پیش نظر غلو کو اپنایا اور صراط حق و مستقیم سے دور ہوگئے اور امام صادقؑ کے بارے میں طرح طرح کے خرافات پھیلانے لگے۔

مالک ابن عطیہ نے امام صادقؑ کے بعض اصحاب سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن امام صادقؑ بہت غیظ و غضب کی کیفیت میں باہر آئے اور آپ نے فرمایا: میں ابھی اپنی ایک حاجت کے لئے باہر نکلا، اس وقت مدینہ میں مقیم بعض سوڈانیوں نے مجھ کو دیکھا تو "لبیک یا جعفر بن

---

(۱) رجال کشی، ج۴، ص۵۹۰

محمد لبیك" کہہ کر پکارا، تو میں اپنے گھر الٹے پیر لوٹ آیا اور جو کچھ ان لوگوں میرے بارے میں بکا تھا اس کے لئے بہت وحشت زدہ تھا، یہاں تک کہ میں نے اپنی مسجد جا کر اپنے رب کا سجدہ کیا اور خاک پر اپنے چہرے کو رگڑا اور اپنے نفس کو ہلکا کر کے پیش کیا، اور جس آواز و نام سے مجھے پکارا گیا تھا اس سے اظہار برائت کیا، اگر حضرت عیسیٰ اس حد سے بڑھ جاتے جو خدا نے ان کے لئے معین کی تھی آپ ایسے بہرے ہو گئے ہوتے کہ کبھی نہ سنتے، ایسے نابینا بن جاتے کہ کبھی کچھ نہ دیکھتے، ایسے گونگے بن جاتے کہ کبھی کلام نہ کرتے، اس کے بعد آپ نے فرمایا: خدا ابو الخطاب پر لعنت کرے اور اس کو تلوار کا مزہ چکھائے۔(۱)

ابو عمرو کشی نے سعد سے روایت کی ہے کہ، مجھ سے احمد بن محمد بن عیسیٰ، انھوں نے حسین ابن سعید بن ابی عمیر سے اور انھوں نے ہشام بن الحکم سے انھوں نے امام صادق سے روایت کی کہ امام نے فرمایا: خدا بنان، سری، بزیع پر لعنت کرے، وہ لوگ سرتاپا انسان کی حسین صورت میں درحقیقت شیطان دکھائی دیتے تھے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے آپ سے عرض کی کہ وہ اس آیت ﴿هُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَ فِي الأَرضِ إِلٰـهٌ﴾(۲) وہ، وہ جو زمین و آسمان کا خدا ہے کی یوں تاویل کرتا ہے کہ آسمان کا خدا دوسرا ہے اور جو آسمان کا خدا ہے وہ زمین کا خدا نہیں ہے، اور آسمان کا خدا زمین کے خدا سے عظیم ہے، اور اہل زمین آسمانی خدا کی فضیلت سے آگاہ ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں، امام صادق نے فرمایا: خدا کی قسم ان دونوں کا خدا صرف ایک داکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ زمینوں اور آسمانوں کا رب ہے، بنان جھوٹ بول رہا ہے خدا اس پر لعنت کرے اس نے خدا کو چھوٹا کر کے پیش کیا اور اس

....

(۱) الکافی، ج۸، ص۲۲۶

(۲) سورۂ زخرف، آیت ۸۴

کی عظمت کو حقیر سمجھا ہے۔(۱)

کشی نے اپنے اسناد کے ساتھ امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ، آپ نے اس قول پروردگار ﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ، تَنَزَّلُ عَلَى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ﴾(۲) کیا ہم آپ کو بتائیں کہ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں، وہ ہر جھوٹے اور بدکردار پر نازل ہوتے ہیں، کے بارے میں فرمایا: کہ وہ (جھوٹے و بدکردار) لوگ، سات ہیں: مغیرہ بن سعید، بنان، صائد، حمزہ بن عمار زبیدی، حارث شامی، عبداللہ بن عمرو بن حارث، الوالخطاب۔(۳)

کشی نے حمدویہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یعقوب نے، انھوں نے ابن ابی عمیر سے، انھوں نے عبدالصمد بن بشیر سے، انھوں نے مصادف سے روایت کی ہے، جب کوفہ سے کچھ لوگ آئے (۴) تو میں نے جا کر امام صادقؑ کو ان لوگوں کے آمد کی خبر دی، آپ فوراً سجدے میں چلے گئے اور زمین سے اپنے اعضاء چپکا کر رونے لگے، اور انگلیوں سے اپنے چہرہ کو ڈھانپ کر فرما رہے تھے، نہیں بلکہ میں اللہ کا بندہ اس کا ذلیل و پست ترین بندہ ہوں اور اس کی تکرار کرتے جا رہے تھے جب آپ نے سر اٹھایا تو آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو آنکھوں سے چل کر ریش مبارک سے بہہ رہا تھا، میں اس خبر دینے پر نہایت شرمندہ تھا، میں نے عرض کی: یابن رسول اللہؐ! میری جان آپ پر فدا ہو، آپ کو کیا ہوا، اور وہ کون ہیں؟۔

---

(۱) رجال کشی، ج۳، ص۵۹۲

(۲) سورۂ شعراء، آیت ۲۲

(۳) رجال کشی، ج۴، ص۵۹۱

(۴) جو امام کی الوہیت و ربوبیت کے قائل تھے

آپ نے فرمایا: مصادف! عیسیٰ کے بارے میں نصاریٰ جو کچھ کہہ رہے تھے اگر اس کے سبب وہ خموشی اختیار کر لیتے تو ان کا حق تھا کہ اپنی سماعت گنوا دیتے، بصارت دے دیتے، ابو الخطاب نے جو کچھ میرے بارے میں کہا اگر اس کے سبب سکوت کر لوں اور اپنی سماعت و بصارت سے چشم پوشی کر لوں تو یہ میرا حق ہے۔(۱)

شیخ کلینی نے سدیر سے روایت کی ہے کہ، میں نے حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کی کہ ایک گروہ ہے جو اس بات کا عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ ہی خدا ہیں، اور اس کے ثبوت میں اس آیت ﴿هُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ﴾ (۲) کو ہمارے سامنے تلاوت کرتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: سدیر! میری سماعت و بصارت، گوشت و پوست اور رُواں رُواں ان لوگوں سے بیزار ہے اور خدا بھی ان سے بیزار ہے، وہ لوگ میرے اور میرے آباء و اجداد کے دین پر نہیں ہیں خدا کی قسم روز محشر خدا ان لوگوں کو ہمارے ساتھ محشور نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ لوگ غضب و عذاب الٰہی کے شکار ہوں گے۔(۳)

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: اے فرزند رسول خداؐ! ایک گروہ ایسا ہے جو اس بات کا معتقد ہے کہ آپ رسولوں میں سے ہیں اور اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾(۴)

---

(۱) رجال کشی، ج۴، ص۵۸۸

(۲) سورۂ زخرف، آیت ۸۴

(۳) سورۂ مؤمنون، آیت ۵۱

(۴) سورۂ مؤمنون، آیت ۵۱

''اے میرے رسولو! پاکیزہ غذائیں کھاؤ اور نیک اعمال انجام دو کہ میں تمہارے نیک اعمال سے خوب باخبر ہوں''

آپ نے فرمایا: اے سدیر! میری سماعت و بصارت، گوشت و پوست، خون ان لوگوں سے اظہار برائت کرتا ہے، ان سے اللہ اور ان کا رسول بھی اظہار برائت کرتے ہیں. یہ لوگ میرے اور میرے آباء واجداد کے دین پر نہیں. خدا کی قسم روز محشر خدا ان لوگوں کو ہمارے ساتھ محشور نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ لوگ عذاب و غضب الٰہی کے شکار ہوں گے۔

راوی کہتا ہے، میں نے عرض کی: فرزند رسول خدا پھر آپ کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا: ہم علم الٰہی کے خزانہ دار، احکام الٰہی کے ترجمان اور معصوم قوم ہیں، اللہ نے ہماری اطاعت کا حکم دیا ہے، اور ہماری نافرمانی سے منع کیا ہے، ہم زمین پر بسنے والے اور آسمان کے رہنے والوں کے لئے حجت کامل ہیں۔(۱)

مغیرہ بن سعید غلو کرنے والوں کے گروہ کی ایک فرد تھا جو سحر و جادو کے ذریعہ سطحی اور عام فکر کے حامل لوگوں کو اپنی طرف جذب کرتا تھا. پھر ان لوگوں کے لئے أئمہ اہل بیتؑ کے حوالے سے غلو کو آراستہ کر دیتا تھا. امام صادقؑ نے اس غالی شخص کی حقیقت اپنے اصحاب کے سامنے واضح کر دی۔

ایک دن اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا: خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے اور اس یہودیہ پر لعنت کرے جس سے وہ مختلف قسم کے جادو، ٹونے اور کرتب سیکھتا تھا، مغیرہ نے ہماری جانب جھوٹ باتوں کی نسبت دی جس کے سبب خدا نے اس سے نعمت ایمان کو لے لیا. ایک گروہ نے ہم پر جھوٹا الزام لگایا. خدا نے ان کو تلوار کا مزہ چکھایا. خدا کی قسم ہم کچھ نہیں صرف اللہ کے بندے ہیں اس نے ہم کو خلق کیا اور انتخاب کیا ہم کسی ضرر و فائدہ پر قدرت نہیں رکھتے اگر کچھ (قدرت) ہے تو رحمت

....

(۱) اصول کافی، ج ۱، ص ۲۶۹

الٰہی ہے اگر مستحق عذاب ہوئے تو اپنی غلطیوں کے سبب ہوں گے۔

خدا کی قسم! خدا پر ہماری کوئی حجت نہیں اور نہ ہی خدا کے ساتھ کوئی برائت ہے، ہم مرنے والے ہیں قبروں میں رہنے والے محشور کیئے جانے والے، واپس بلائے جانے والے، روکے جانے والے اور سوال کیئے جانے والے ہیں، ان کو کیا ہو گیا ہے خدا ان پر لعنت کرے، انھوں نے خدا کو اذیت دی اور رسول اکرم کو قبر میں اذیت دی اور امیر المومنین و فاطمہ زہرا، حسن، حسین، علی بن الحسین، محمد بن علی علیہم السلام کو اذیت دی۔

آج کل تمہارے درمیان میں ہوں جو رسول اکرم کا گوشت پوست ہوں، لیکن راتوں کو جب کبھی بستر استراحت پر جاتا ہوں تو خوف و ہراس کے عالم میں سوتا ہوں، وہ لوگ چین و سکون کے ساتھ خواب خرگوش کے مزے لیتے ہیں اور میں خوف و ہراس کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔

میں دشت و جبل کے درمیان لرزہ براندام ہوں، میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو کچھ میرے بارے میں بنی اسد کے غلام اجرع براد، ابوالخطاب نے کہا: خدا اس پر لعنت کرے، خدا کی قسم اگر وہ لوگ ہمارا امتحان لیتے اور ہم کو اس کا حکم دیتے تو واجب ہے کہ اس کو قبول نہ کریں، آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ لوگ ہم کو خائف و ہراس پا رہے ہیں؟ ہم ان کے خلاف اللہ کی مدد چاہتے ہیں اور ان سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

میں تم سب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں فرزند رسول خداؐ ہوں اگر ہم نے ان کی اطاعت کی تو اللہ ہم پر رحمت نازل کرے اور اگر ان کی نافرمانی کی تو ہم پر شدید عذاب نازل کرے۔

امام صادق علیہ السلام نے غلاۃ کی جانب سے دی گئی ساری نسبتوں کی نفی کی ہے، مثلاً علم غیب، خلقت، تقسیم رزق وغیرہ۔

ابی بصیر سے روایت ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی، یابن رسول اللہؐ! وہ لوگ آپ

کے بارے میں کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ بارش کے قطرات، ستاروں کی تعداد، درختوں کے پتوں، سمندر کے وزن، ذرات زمین کا علم رکھتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! خدا کی قسم خدا کے علاوہ کوئی بھی ان کا علم نہیں رکھتا۔

آپ سے کہا گیا کہ فلاں شخص، آپ کے بارے میں کہتا ہے کہ، آپ بندوں کے رزق تقسیم کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ہم سب کا رزق صرف خدا کے ہاتھوں میں ہے، مجھ کو اپنے اہل وعیال کے لئے کھانے کی ضرورت پڑی تو میں کشمکش میں مبتلا ہوا، میں نے سوچ بچار کے ذریعہ ان کی روزی فراہم کی اس وقت میں مطمئن ہوا۔

زرارہ سے روایت ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی کہ عبد اللہ بن سبا کے فرزندوں میں سے ایک تفویض کا قائل ہے!

آپ نے فرمایا: تفویض سے کیا مراد ہے؟

میں نے کہا: کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے محمدؐ و علیؑ کو خلق کیا اس کے بعد سارے امور ان کو تفویض (حوالے) کر دیئے، لہٰذا اب یہی لوگ رزق تقسیم کرتے ہیں اور موت وحیات کے مالک ہیں۔

آپ نے فرمایا: کہ وہ دشمن خدا جھوٹ بولتا ہے، جب تم اس کے پاس جانا تو اس آیت کی تلاوت کرنا:

﴿أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾(۱)

(۱) سورۂ رعد، آیت ۱۶

(یا ان لوگوں نے اللہ کے لئے ایسے شریک بنائے ہیں جنھوں نے اس کی طرح کائنات خلق کی ہے اور ان پر خلقت مشتبہ ہوگئی ہے کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر شی کا خالق ہے وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔

میں واپس گیا اور جو کچھ امام نے کہا تھا وہ پیغام سنا دیا تو گویا وہ پتھر کی طرح ساکت رہ گیا یا بالکل گونگا ہو گیا۔

مفضل راوی ہیں کہ امام صادق نے ہم سے اصحاب خطاب اور غلاۃ کے حوالے سے فرمایا: اے مفضل! ان کے ساتھ نشست و برخاست نہ کرو ان کے ساتھ کھانا پینا نہ رکھو، ان سے میل جول نہ رکھو، نہ ان کے وارث بنو اور ان کو اپنا وارث بناؤ۔

غلاۃ اور امام موسیٰ کاظمؑ کا موقف!

اپنے آباء واجداد کی مانند امام موسیٰ کاظمؑ بھی غلاۃ سے دوچار رہے، جنھوں نے ان کے اور ان کے آباء واجداد کے بارے میں بہت ساری باتیں کیں جن کی تائید الٰہی کلام سے نہیں ہوتی۔

امام موسیٰ کاظمؑ کے عہد امامت میں خطرناک غلو کرنے والا، محمد بن بشیر تھا یہ امام کا صحابی تھا، پھر غالی ہو گیا یہاں تک کہ امام کی شہادت کے بعد آپ کی ربوبیت کا قائل ہو گیا اور خود کو نبی گردانے لگا۔

محمد بن بشیر قتل ہوا اور اس کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ وہ شعبدہ باز اور جادوگر تھا، وہ واقفیہ فرقہ کے افراد کے سامنے اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ میں نے علی بن موسیٰ پر توقف کیا ہے یہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی ربوبیت کا قائل اور اپنی نبوت کا مدعی تھا۔ (۱)

(۱) رجال کشی، ج۶، ص ۷۷۷

اس کے فاسد عقیدوں کی اتباع لوگوں کے ایک سادہ لوح گروہ نے کی، جس کو اس نے دھوکا دے رکھا تھا اور وہ لوگ محمد بن بشیر کے عقیدہ کی طرف منسوب ہونے کے سبب ''بشیریہ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

ان کے باطل عقائد میں سے یہ تھا کہ وہ عبادات جو ان پر فرض ہیں اور ان کا ادا کرنا واجب ہے، وہ یہ ہیں: نماز، روزہ، ادائیگی خمس، لیکن زکوٰۃ، حج اور دوسری ساری عبادات ان سے ساقط ہیں۔

یہ لوگ امام کے تناسخ (آواگون) کے قائل ہیں یعنی سارے ائمہ کا ایک جسم ہے صرف ایک دوسرے پیکر میں زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

وہ لوگ اس نظریہ کے قائل تھے کہ وہ سب چیزوں کے درمیان ایک دوسرے کے شریک ہیں، کھانا، پینا، مال و دولت، عورتیں، یہ لوگ لواط (اغلام بازی) کو مباح جانتے تھے اور اس عقیدہ پر قرآن کی یہ آیت پیش کرتے تھے:

﴿أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وَّ إِنَاثاً﴾ (۱)

(یا پھر بیٹے اور بیٹیاں دونوں کو جمع کر دیتا ہے)

جب امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت واقع ہوئی تو ان لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ مرے نہیں ہیں، نگاہوں سے غائب ہو گئے ہیں اور وہ وہی مہدی ہیں، جن کی بشارت دی گئی ہے، انھوں نے امت میں اپنا خلیفہ محمد بن بشیر کو قرار دیا ہے اور ان کو اپنا قائم مقام بنایا ہے۔

کشی نے علی بن حدید مدائنی سے روایت کی ہے کہ میں نے ابا الحسن اول یعنی امام کاظمؑ سے ایک شخص کو سوال کرتے سنا کہ ''میں نے سنا ہے کہ محمد بن بشیر کہتا ہے کہ آپ موسیٰ بن جعفر نہیں ہیں جو کہ ہمارے امام اور خدا اور ہمارے درمیان حجت ہیں۔

---

(۱) سورہ شوریٰ، آیت ۵۰

وہ کہتا ہے کہ امام نے فرمایا: خدا اس پر لعنت کرے (تین بار تکرار کی) خدا اس کو لوہے کی گرمی کا مزہ چکھائے خدا اس کو بری طرح قتل کرے۔

میں نے عرض کی: فرزند رسولؐ میں آپ پر فدا ہوں، جب میں نے آپ کا یہ حکم اس کے بارے میں سنا تو کیا اب اس کا خون ہم پر مباح نہیں ہے جس طرح سے رسول و امام پر سب وشتم کرنے والے کا خون حلال ہے۔

تو آپؑ نے فرمایا: ہاں! خدا کی قسم تم پر اس کا خون حلال ہے اور جو کوئی بھی اس کے حوالے سے یہ بات سنے اس پر بھی اس کا خون حلال ہے۔

میں نے عرض کی: کہ کیا آپ پر سب وشتم کرنے والا نہیں ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ خدا اور رسولؐ و میرے اجداد اور مجھ پر سب وشتم کرنے والا ہے، اس سے بڑھ کر سب وشتم کرنے والا کون ہوگا؟ اور اس پر کون سبقت حاصل کر سکتا ہے؟

میں نے عرض کی، اگر میں اس سے برائت میں خوف نہ کروں اور چشم پوشی کر لوں اور اس حکم پر عمل نہ کروں اور اس کو قتل نہ کروں تو آپ کی نظر میں مجھ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

آپ نے فرمایا: تم پر بہت بڑا گناہ ہوگا اور اس کی شدت میں کمی نہیں آئے گی۔

کیا تم نہیں جانتے کہ روز قیامت شہداء میں سب سے بلند پایہ وہ ہوگا جو اللہ و رسولؐ کی مدد کرے گا اور ظاہر و باطن میں خدا اور رسولؐ کا مدافع ہوگا۔(۱)

امام موسیٰ کاظمؑ نے محمد بن بشیر پر لعنت کی ہے اور اس کے حق میں بددعا کی ہے۔

کشی نے علی بن حمزہ بطائنی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابا الحسن موسیٰ سے سنا کہ "خدا محمد بن بشیر پر لعنت کرے اس کو لوہے کے مزے کو چکھائے اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، خدا

---

(۱) رجال کشی، ج ۶، ص ۴۷۸

اس سے بری ہے اور میں بھی اس سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں، خدایا! جو کچھ ابن بشیر نے میرے بارے میں کہا ہے میں تیرے لئے اس سے برائت کا اظہار کرتا ہوں۔

خدایا! مجھ کو اس سے نجات دے، اس کے بعد فرمایا: ''اے علی! جس کسی نے جان بوجھ کر ہم پر جھوٹ الزام لگانا چاہا ہے خدا نے اس کو تلوار کا مزہ چکھایا ہے۔

ابومغیرہ بن سعید نے ابوجعفرؑ پر جھوٹا الزام لگایا تھا خدا نے اس کو تلوار کا مزہ چکھایا، ابوخطاب نے میرے باپ پر جھوٹا الزام لگایا تھا، خدا نے اس کو تلوار کا مزہ چکھایا، محمد بن بشیر خدا اس پر لعنت کرے، اس نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا تھا، میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، خدایا! محمد بن بشیر نے جو کچھ میرے بارے میں کہا ہے میں اس سے اظہار برائت کرتا ہوں، خدایا! اس کے شر سے محفوظ رکھ، خدایا! محمد بن بشیر رجس نجس سے دور رکھ، شیطان اس کے باپ کے ساتھ اس کے نطفہ میں شریک تھا۔

خدا نے امام کاظمؑ کی دعا قبول کی، علی بن حمزہ کہتے ہیں کہ جس بری طرح محمد بن بشیر کو قتل کیا گیا، میں نے کسی کو نہیں دیکھا، خدا اس پر لعنت کرے۔(۱)

غلاۃ اور امام رضاؑ کا موقف

غلاۃ سے جنگ اور ان کے باطل عقائد کے بطلان کے سلسلہ میں ان کو برملا کہنے اور ان سے لوگوں کو دور رکھنے کے سلسلہ میں امام رضاؑ اپنے آباء و اجداد کے نقش قدم پر ہو بہو چلے۔

حسین بن خالد صیرفی سے روایت ہے کہ امام رضاؑ نے فرمایا: ''جو تناسخ (آواگون) کا قائل ہے وہ کافر ہے، اس کے بعد فرمایا: خدا غلو کرنے والوں پر لعنت کرے، آگاہ رہو! کہ یہ یہودی تھے، نصاریٰ تھے، مجوسی تھے، قدریہ، مرجۂ و حروریہ (خوارج) تھے''۔

---

(۱) رجال کشی، ج۶،ص۷۷۹

اس کے بعد فرمایا: ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھو نہ ان سے دوستی کرو، ان سے برائت اختیار کرو، خدا ان سے بری ہے۔(۱)

امام رضا غلاۃ کو تمام فاسد اور تحریف شدہ ادیان و مذاہب کی بدترین فرد سمجھتے تھے۔

آپ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے "خدایا! میں تمام قوت و طاقت سے اظہار برائت کرتا ہوں تیرے سوا کوئی قدرت و طاقت نہیں، خدایا! وہ لوگ جنھوں نے ہمارے بارے میں اس بات کا دعا کیا جس کے ہم حقدار نہیں، ان سے تیری پناہ مانگتے ہیں، خدا وہ بات جس کو ہم نے اپنے بارے میں کبھی نہیں کہا اور لوگ ہماری جانب منسوب کرتے ہیں اس سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

خدایا! امر خلقت تیرا حق ہے، ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی مدد چاہتے ہیں، خدایا! تو میرا اور میرے اولین و آخرین آباء و اجداد کا خالق ہے، خدایا! ربوبیت صرف تیرا حق ہے، الوہیت صرف تجھ کو زیب دیتی ہے۔

نصاریٰ پر لعنت ہو جنھوں نے تیری عظمت کو گھٹایا اور ان لوگوں پر لعنت ہو جنھوں نے تیری عظمت کے خلاف لب کھولے۔

خدایا! ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں، خدایا! اپنی جان کے نفع و نقصان پر گرفت نہیں رکھتے، موت و حیات اور قبر سے اٹھائے جانے پر ہماری گرفت نہیں۔

خدایا! جن لوگوں نے ہمارے بارے میں خیال کیا کہ ہم خدا ہیں تو ہم ان سے اسی طرح بری ہیں جس طرح عیسیٰ ابن مریم نصاریٰ سے بری تھے۔

خدایا! میں نے ان کے باطل عقائد کی کبھی دعوت نہیں دی، خدایا! ان کی باتوں کے سبب مجھ سے باز پرس نہ کرنا اور وہ لوگ جو خیال کرتے ہیں اس کے سبب ہماری مغفرت فرما، ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۱۸، باب ۴۶، حدیث ۲

عَلَى الأرضِ مِنَ الكافِرِينَ دَيّاراً ، إِنَّكَ إن تَذَرهُم يُضِلُّوا عِبادَكَ وَ لا يَلِدُوا إلا فاجِراً كفاراً﴾(۱)

(پروردگار! اس زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑنا کہ تو اگر انہیں چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور فاجر و کافر کے علاوہ کوئی اولاد بھی نہ پیدا کریں گے)۔

ابو ہاشم جعفری سے روایت ہے کہ میں نے امام رضاؑ سے غلاۃ اور مفوضہ کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: غلاۃ کفار ہیں اور مفوضہ مشرک ہیں، جو کوئی بھی ان کے ساتھ رفت و آمد رکھے، کھانا پینا رکھے، صلۂ رحم کرے، شادی کرے، یا ان کی لڑکی اپنے گھر میں لائے، یا ان کی امانت رکھے، یا ان کی باتوں کی تصدیق کرے، یا صرف کسی ایک کلمہ سے ہی ان کی مدد کرے، وہ اللہ و رسولؐ اور ہم اہلبیتؑ کی ولایت سے خارج ہو جائے گا۔(۲)

امام رضاؑ نے غلاۃ کے اصل ظہور کی اہم علت کو بتایا، ابراہیم بن ابی محمود نے امام رضاؑ سے روایت کی ہے: اے ابن ابی محمود! ہمارے مخالفوں نے ہماری فضیلت میں روایات گڑھی اور ان کی تین قسمیں ہیں، ۱.غلو ۲.ہمارے امر میں کمی، ۳.ہمارے دشمنوں کی عیب جوئی، جب ہمارے بارے میں لوگوں نے غلو کو سنا تو ہمارے چاہنے والوں کی تکفیر کی اور ان لوگوں نے ہمارے شیعوں کی جانب ہماری ربوبیت کے قائل ہونے کی نسبت دی، جب ہماری کمی کو سنا تو اس کے معتقد ہو گئے اور جب ہمارے دشمنوں کی عیب جوئی سنی تو انھوں نے ہم کو نام بنام دشنام دیا۔

خدا نے فرمایا: ﴿وَ لاتَسُبُّوا الَّذِينَ يَدعُونَ مِن دُونِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْواً بِغَيرِ عِلمٍ﴾(۳)

---

(۱) اعتقادات شیخ صدوق، ص۹۹، سورۂ نوح، آیت ۲۷۔۲۶

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۲۱۹، باب ۴۶، حدیث ۴

(۳) سورۂ انعام، آیت ۱۰۸

(اور خبردار تم لوگ انھیں برا بھلا نہ کہو جن کو یہ لوگ خدا کہہ کر پکارتے ہیں کہ اس طرح یہ دشمنی میں بغیر سوچے سمجھے خدا کو برا بھلا کہیں گے۔

اے ابن ابی محمود! جب لوگ ادھر ادھر کے نظریات کے معتقد ہو جائیں تو اس وقت تم ہمارے راستے پر قائم رہنا اس لئے کہ جو ہمیں اپنائے گا ہم اس کو اپنائیں گے اور جو ہم کو چھوڑ دے گا ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔(۱)

امام رضاؑ نے واضح کر دیا کہ غلاۃ کس طرح عام شیعوں کی جانب غلو منسوب کرنے کا سبب ہوئے، اسی سبب ہم دیکھتے ہیں کہ دیگر فرقوں کے مولفین، غلو کے صفات کو مطلقاً شیعوں اور خصوصاً امامیہ کی جانب نسبت دیتے ہیں، وہ لوگ ان احادیث پر بھروسہ کرتے ہیں جن کو غلاۃ نے لوگوں کے درمیان رائج کر رکھا تھا لہٰذا اہل سنت افراد نے یہ سمجھ لیا کہ یہ روایات شیعہ طریقوں سے وارد ہوئیں ہیں اور غلو کو شیعوں کی جانب منسوب کر دیا۔

جیسا کہ بعض مولفین بالکل فاش غلطی کے شکار ہو گئے اور تجسیم و تشبیہ کی نسبت شیعوں کی طرف دے بیٹھے، جبکہ ہم نے اصول عقائد شیعہ میں اس بات کی مکمل وضاحت کر دی ہے اور توحید کی بحث میں یہ بات کہی ہے کہ تشبیہ و تجسیم کے سلسلہ میں شدید مخالف ہیں اور خدا کو ان سب چیزوں سے بہت دور جانا ہے۔

امام رضاؑ نے اپنے اس آنے والے قول میں اس بات کی اور وضاحت کر دی ہے۔

آپ نے فرمایا: جن لوگوں نے تشبیہ اور جبر کی باتوں کو گڑھ کر ہم شیعوں کی جانب منسوب کر دیا ہے وہ غلاۃ ہیں جنھوں نے عظمت پروردگار کو گھٹایا ہے، جو ان لوگوں سے محبت کرے گا وہ ہمارا دشمن ہے جو ان سے نفرت کرے گا وہ ہمارا محبوب ہے، جو ان سے لگاؤ رکھے گا وہ ہمارا دشمن ہے، جو

---

(۱) عیون اخبار الرضا ج ۲، ص ۲۷۲، باب ما کتبہ الرضا، حدیث ۶۳

ان کو دشمن ہے وہ ہمارا چاہنے والا ہے، جو ان سے صلۂ رحم کرے وہ ہم سے جدا ہوگا، جو ان سے جدا ہوگیا وہ ہم سے مل گیا، جس نے ان سے جفا کی اس نے ہمارے ساتھ حسن رفتار کیا، جس نے ان کے ساتھ حسن رفتار کیا گویا اس نے ہم پر جفا کی، جس نے ان کا اکرام کیا اس نے میری توہین کی، جس نے ان کی توہین کی اس نے میری عزت کی، جس نے ان کو قبول کیا اس نے ہماری تردید کی اور جس نے ان کی تردید کی اس نے ہم کو قبول کیا، جس نے ان کے ساتھ حسن رفتار کیا اس نے ہمارے ساتھ سوء ادب سے کام لیا، جس نے ان سے بدخلقی سے برتاؤ کیا اس نے ہمارے ساتھ خوش خلقی کی، جس نے ان کی تصدیق کی اس نے ہم کو جھٹلایا اور جس نے ان کو جھٹلایا اس نے ہماری تصدیق کی، جس نے ان کو عطا کیا گویا ہم کو محروم کردیا، اور جس نے ہم کو عطا کیا گویا ان کو محروم کیا، اے ابن خالد، جو بھی ہمارا شیعہ ہوگا کبھی بھی ان کو اپنا ولی ومددگار قرار نہیں دے گا۔(۱)

غلاۃ اور امام علی بن محمد ہادیؑ کا موقف!

امام ہادیؑ بھی غلاۃ کے اس گروہ سے دوچار ہوئے جو ائمہ کی ربوبیت والوہیت کے قائل تھے، اور ان کے زمانے کے غلاۃ کا سردار محمد بن نصیر نمیری تھا، اور نصیری فرقہ اسی جانب منسوب ہے، اور ایک قلیل گروہ نے اس فرقہ کی پیروی کی ہے، جن میں نمایاں فارس بن حاتم قزوینی اور ابن بابا قمی ہے۔

کشی نے لکھا ہے کہ: ایک فرقہ محمد بن نصیر نمیری کی رسالت کا قائل ہے اور وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ورسول ہے اور اس کو علی بن محمد ہادی نے رسالت بخشی ہے، حضرت امیر کے بارے میں تناسخ کا قائل تھا اور غلو کرتا تھا اور اس بات کا دعویٰ کرتا تھا کہ ان میں ربوبیت پائی جاتی ہے۔

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۳۱۔۱۳۰، حدیث ۴۵

وہ کہتا تھا کہ: تمام محارم مباح ہیں، مرد کا مرد کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے وہ اس نظریہ کا موجد و قائل تھا کہ فاعل و مفعول دونوں لذات میں سے ایک ہیں اور خدا نے ان میں سے کسی ایک کو حرام نہیں قرار دیا۔

محمد بن موسیٰ بن حسن بن فرات اس کے نظریہ کی حمایت کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ بعض لوگوں نے محمد بن نصیر کو علی الاعلان اغلام بازی کی کیفیت میں دیکھا ہے اور اگر اس کے غلام نے اس فعل سے انکار کیا تو اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ یہ لذتوں سے ایک ہے! یہ درحقیقت خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے اور جبر و رکاوٹ کو ختم کرنا ہے۔

نصر بن صباح کہتے ہیں کہ: حسن بن محمد معروف بہ ابن بابا، محمد بن نصیر غیری، فارس بن حاتم قزوینی، ان تینوں پر امام علی نقیؑ نے لعنت بھیجی ہے۔

ابو محمد فضل بن شاذان نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ابن بابا قمی مشہور جھوٹوں میں سے تھا۔

سعد کہتے ہیں کہ مجھ سے عبیدی نے بتایا کہ ابتدائے دور میں امام علی نقیؑ نے میرے پاس ایک خط لکھا کہ ''میں فہری، حسن محمد بن بابا قمی، ان دونوں سے اظہار برائت کرتا ہوں لہٰذا تم بھی ان دونوں سے بیزار ہو جاؤ، میں تم کو اور اپنے چاہنے والوں کو ان دونوں سے خبردار کرتا ہوں، ان دونوں پر اللہ کی لعنت ہو یہ ہمارے نام پر لوگوں سے کھا رہے ہیں، یہ دونوں اذیت دینے والے اور فتنہ پرور ہیں خدا ان دونوں کو اذیت دے، خدا ان دونوں کو فتنہ کی رسّی میں جکڑ دے، ابن بابا (قمی) یہ خیال کرتا ہے کہ میں نے اس کو نبوت دی ہے اور وہ رئیس ہے اس پر خدا کی لعنت ہو، شیطان نے اس کو مسخر کر کے اس کا اغوا کر لیا ہے، اس پر بھی خدا کی لعنت ہو جو ان کی باتوں کو قبول کرے۔

اے محمد! اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ پتھر سے اس کا سر کچل دو تو ایسا کر گذرو کیونکہ

اس نے مجھ کو اذیت دی ہے، خدا اس کو دنیا و آخرت میں اذیت دے'' (۱)

کشی نے ابراہیم بن شیبہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے امام علی نقی کو خط لکھا کہ ''آپ پر ہماری جان فدا ہو، ہمارے یہاں کچھ لوگ ہیں جو آپ کی فضیلت کے سلسلے میں اختلاف رائے رکھتے ہیں جن کے سبب دل ٹیڑھے اور سینہ تنگ ہو گیا ہے اور اس حوالہ سے حدیث بھی بیان کرتے ہیں ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے ہیں جب تک کہ تائید الٰہی نہ ہو اور ان کی تردید بھی مشکل امر ہے کیونکہ ان کی نسبت آپ کے آباء و اجداد کی جانب ہے لہٰذا ہم لوگوں نے ان حدیثوں پر توقف کیا ہے۔

وہ لوگ اس قول خدا ﴿إِنَّ الصَّلوٰةَ تَنهىٰ عَنِ الفَحشَاءِ وَ المُنكَرِ﴾ (۲) اور ﴿وَ أَقِيمُوا الصَّلوٰةَ وَ آتُوا الزَّكوٰةَ﴾ (۳) کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو نہ ہی رکوع کرے اور نہ سجدہ، اور زکوۃ کے بارے میں بھی یہی نظریہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں نہ ہی درہموں کی تعداد ہے اور نہ ہی مال کی ادائیگی مراد ہے، اور اسی طرح واجبات و مستحبات اور منکرات کے بارے میں کہتے ہیں کہ اور ان سب کو اسی حد تک بدل ڈالا ہے جس طرح میں نے آپ سے عرض کی۔

اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ کے چاہنے والے ان خرافات سے سلامت رہیں جو ان کو ہلاکت و گمراہی کی جانب لے جا رہی ہیں'' وہ لوگ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اولیاء (الٰہی) ہیں اور اپنی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں'' ان میں سے علی بن حسکہ، اور قاسم یقطینی ہیں، ان ان لوگوں کی باتوں کو قبول کرنے کے سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟۔

---

(۱) رجال کشی، ج۶، ص ۸۰۵، شمارہ ۹۹۹

(۲) سورۂ عنکبوت، آیت ۴۵

(۳) سورۂ بقرہ، آیت ۴۳

امامؑ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ: اس کا ہمارے دین سے کوئی سروکار نہیں لہٰذا اس سے پرہیز کرو۔(۱)

سہل بن زیاد آدمی راوی ہیں کہ ہمارے دوستوں نے امام علی نقیؑ کے پاس خط لکھا: اے میرے مولا وآقا! آپ پر ہماری جان فدا ہو، علی بن حسکہ آپ کی ولایت (نیابت) کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا پھرتا ہے کہ آپؑ اول وقدیم ہیں اور وہ آپ کا نبی نمائندہ ہے اور آپ نے لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا ہے، وہ یہ خیال کرتا ہے کہ نماز، حج، زکوٰۃ، اور یہ سب کے سب آپ کی حقیقت ومعرفت ہیں اور ابن حسکہ کی نبوت ونیابت جس کا وہ مدعی ہے اس کو قبول کرنے والا مومن کامل ہے اور حج وزکوٰۃ وروزہ جیسی عبادات اس سے معاف ہیں، اور شریعت کے دیگر مسائل اور ان کے معانی کو ذکر کیا ہے جو آپ کے لئے ثابت ہو چکا ہے اور بہت سارے لوگوں کا میلان بھی اس جانب ہے، اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو کرم فرما کر ان کا جواب عنایت فرمائیں تا کہ آپ کے چاہنے والے ہلاکت سے بچ سکیں۔

امامؑ نے جواب میں تحریر فرمایا: ابن حسکہ جھوٹ بولتا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو، تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ میں اس کو اپنے چاہنے والوں میں شمار نہیں کرتا، اس کو کیا ہو گیا ہے؟! اس پر خدا کی لعنت ہو۔

خدا کی قسم خدا نے محمد اکرمؐ اور ان سے ماقبل رسولوں کو مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ دین نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور ولایت ان کے ہمراہ تھی، خدا نے خدا کی وحدانیت کے سوا کسی چیز کی دعوت نہیں دی اور وہ خدا ایک ولاشریک ہے، اسی طرح ہم اوصیاء (الٰہی) اس بندہ خدا کے صلب سے ہیں کبھی خدا کا شریک نہیں مانتے مگر ہم نے رسولؐ کی اطاعت کی تو خدا ہم پر رحمت نازل کرے اور اگر ان کی

---

(۱) کشی، ج۶، ص۸۰۳

خلاف ورزی کی تو خدا عذاب سے دوچار کرے، ہم خدا کے لئے حجت نہیں ہیں بلکہ خدا کی حجت ہم اور تمام مخلوقات عالم پر ہے۔

وہ جو کچھ کہتا ہے ان سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں اور اس قول سے دوری اختیار کرتے ہیں خدا ان پر لعنت کرے ان سے دوری اختیار کرو، ان پر عرصۂ حیات تنگ کردو اور ان کو کبھی گوشۂ تنہائی میں پاؤ تو پتھر سے ان کا سر کچل دو۔(۱)

ان باتوں سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ دینی فرائض جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، وغیرہ سے فرار کرنا غلو کی ایک قسم ہے۔

امام صادقؑ نے غلاۃ کی بدنیتی کو اس وقت واضح کردیا تھا جب آپ کے اصحاب میں سے کسی نے لوگوں کے اس قول کے بارے میں سوال کیا تھا کہ ''حضرت امام حسینؑ شہید نہیں ہوئے اور انھوں نے لوگوں پر اپنے امر کو پوشیدہ رکھا...'' یہ ایک طویل حدیث ہے، یہاں تک اس صحابی نے امام سے سوال کیا، اے فرزند رسولؐ! آپ کے شیعوں میں سے کچھ لوگ جو یہ خیال رکھتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ لوگ ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہیں، میں ان سے اظہار برائت کرتا ہوں، انھوں نے عظمت الٰہی کو چھوٹا کر کے پیش کیا اور اس کی کبریائی کا انکار کیا وہ مشرکت وگمراہ ہوگئے ہیں وہ لوگ دینی فرائض سے فرار اور حقوق کی ادائیگی سے دور ہیں۔

ان سب (کلمات) سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ائمۂ کرام نے غلو اور غلاۃ کے خلاف کتنی سخت اور فیصلہ کن جنگ کی ہے، اور ان کی بدنیتی اور ناپاک ارادوں سے نقاب کشائی کی ہے، اور اپنے شیعوں کو ان سے دور رکھا ہے جیسا کہ امام صادقؑ نے اپنے چاہنے والے کو نصیحت کی

....

(۱) کشی، ج ۶، ص ۸۰۴

ہے، آپ فرماتے ہیں: ''اپنے جوانوں کو غلاۃ سے دور رکھو! کہیں ان کو برباد نہ کردیں، کیونکہ غلاۃ مخلوقات الٰہی کے لئے ایک قسم کے شر ہیں انھوں نے عظمت الٰہی کو گھٹایا ہے، اور بندگان خدا کی ربوبیت کا دعویٰ کیا ہے، خدا کی قسم غلاۃ، یہود ونصاریٰ ومجوس ومشرکین سے بدتر ہیں....

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: اگر غلو کرنے والا ہماری طرف رجوع کرے تو اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے لیکن اگر ہماری شان کم کرنے والا اگر ہم سے (توبہ کے بعد) ملحق ہونا چاہے تو اس کو قبول کرلیں گے، کہنے والے نے آپؑ سے کہا کہ ایسا کیسے؟۔

تو آپ نے فرمایا: اس لئے کہ غلو کرنے والا نماز وروزہ وحج وزکوۃ کے ترک کی عادت ڈال چکا ہے لہٰذا وہ اس عادت کو چھوڑ نہیں سکتا اور خدا کی بندگی واطاعت کی طرف کبھی بھی پلٹ کر نہیں آسکتا، لیکن مقصر (کمی کرنے والا) جب حقیقت کو درک کرلے گا تو عمل واطاعت کو انجام دے گا۔

وہ خطوط جن کو بعض افراد ائمۂ کرام کے پاس غلاۃ کے سلسلہ میں ائمہ کا موقف جاننے کے لئے ارسال کرتے تھے اور ان کی باتوں کو امام کے سامنے پیش کرتے تھے اور شیعوں میں ان کے افکار کے فروغ وانتشار سے کبیدہ خاطر تھے، یہ تمام خط وکتابت اس لئے تھی کہ وہ مخلص شیعہ حضرات غلاۃ کی ناپاک فکروں سے دین کی حفاظت چاہتے تھے اور یہ افراد غلاۃ کے مدمقابل پورے اعتماد کے ساتھ کھڑے تھے ان سے مناظرہ کرتے تھے اور اکثر ان کو محکم دلیلوں سے خاموش بھی کرتے تھے اور انھوں نے ان غلاۃ کا بائیکاٹ کرنے میں اپنے اماموں کے حکم کی مکمل اطاعت کی ہے، جب کہ وہ دور عصبیت کا دور تھا اور ظالم وجابر سلاطین کا ظلم زوروں پر تھا اور انھوں نے ان (شیعوں) پر عرصۂ حیات تنگ کردیا تھا۔

ان شیعوں کے فرائض میں یہ تھا کہ اپنے دین، عقیدہ کا دفاع کریں اور اسلام کی حمایت ان انحرافات سے کریں جو غلاۃ کی صورت وجود میں آئے تھے اور لوگوں کو ان سے دور رکھیں، خود ان پر

کڑی نظر رکھیں، ان کے جھوٹ، خرافات اور عیبوں کو برملا کریں۔

اور یہ سب اس وقت میں کرنا تھا جب ان غلاۃ کے خلاف حد کافی قدرت و طاقت نہیں رکھتے تھے، ان کے پاس اس حد تک آزادی بھی نہیں تھی کہ حقیقی اسلام کے عقائد کی تعلیم دے سکیں، جبکہ اس وقت اُموی، عباسی، اور دیگر فرقہ غلو کے نظریات اور انحرافات کو مسلمانوں کے درمیان دھڑلے سے پھیلا رہے تھے۔

ان تمام باتوں کے باوجود پروردگار کے رحم و کرم کے ہمراہ شیعوں کی انتھک کوششیں اور اسلام حقیقی کی دفاع میں ائمہ کرام کی ناقابل شکست جنگیں رنگ لائیں اور اسلام انحرافاتی ہتھکنڈوں سے محفوظ رہا۔

پانچویں فصل

پانچویں فصل

حقیقت تشیع

اسلامی فرقوں میں شیعہ کی مانند کسی فرقہ کو طعن و تشنیع کا مرکز نہیں بنایا گیا اور اس کے کچھ اسباب تھے جن میں سے ایک سبب یہ تھا کہ روز و شب کی گردش کے ساتھ ہمیشہ ان انحرافی نظریات کے مدمقابل رہا تھا جن کی بنیاد عالم اسلام پر قابض حکومتوں نے رکھی تھی اور ان حکومتوں نے اپنے تئیں اپنے تمام تر وسائل کو اس فرقہ کے خلاف استعمال کیا اور ان کو مسلمانوں کے سامنے اس طرح پیش کرنے کی انتھک کوشش کی کہ یہ فرقہ حق سے منحرف ہے، اور اس کو مبتدعہ (بدعتی فرقہ) کے نام سے مشہور کیا گیا۔

دوسری طرف شیعہ حضرات کا اہل بیتؑ کی جانب جھکاؤ اور دوسروں کے بجائے ان کی تعلیم سے کسب ہدایت تھی، اور اہل بیت نبوی کی محبت و احترام میں تنہا تھے اور اسلامی معاشرہ اس میں شریک نہیں تھا۔

یہ حکومتیں اس بات سے خائف تھیں کہ اہل بیتؑ کی تعلیم مسلمانوں کے درمیان رشد نہ کریں جو کہ اکثر ان انحرافی تعلیمات کی بھینٹ چڑھ گئیں جن کو ظالم حکومت نے رائج کیا تھا اور وہ جعلی حدیثیں جن کو رسول اکرمؐ کی جانب منسوب کیا تھا ان ظالم حکومتوں کی کوشش اس بات کے اظہار پر تھی

کہ یہ اسلامی تعلیمات ہیں جن کو اسلامی حکومت نے مرتب کیا ہے، لہٰذا یہ اس بات کا لازمہ بنا کہ وہ شیعوں کے مد مقابل کھڑے ہوں اور شیعوں کو مسلمانون کے درمیان ان کی انقلابی فکروں کی تعلیم سے روکیں۔

لہٰذا اس حکومت کے پاس اس فرقہ کے لئے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنے وسائل کو استعمال کرے جو ان کی باتوں کو روک سکے اور لوگوں کو اس بات سے نفرت دلائے کہ ان کے باطل عقائد اسلام حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے یا اس کو اسلامی اور عربی معاشرہ میں ایک اجنبی فرقہ کے نام سے مشہور کرے ہم ان کے مختلف نظریات کو پیش کریں گے جو کہ اصل تشیع کے سلسلہ میں ہے ان کا اصل مقصد صرف اتنا تھا کہ حقائق کو مخدوش کردیں اور حقیقی چہرہ پر پردہ ڈال دیں تا کہ لوگ اس تک پہنچ نہ سکیں۔

اصول کا یہودی شبہ

شیعیت پر خطرناک تہمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی اصل واساس یہودیت سے منشعب ہوتی ہے اور اس کی جڑ عبداللہ بن سبا، یہودی کی ہے، جس نے آخری دنوں میں اسلام کا تظاہر (دکھاوا) کیا تھا اور اس کا نظریہ اس کے شہر سے نکل کر حجاز، شام، عراق، مصر، تک پہنچا اور اس کے باطل عقائد مسلمانوں کے درمیان سرایت کر گئے جس کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ علیؑ نبی کے وصی تھے۔

فریدی وجدی کہتا ہے کہ: ابن سوداء (عبداللہ بن سبا) درحقیقت یہودی تھا اس نے اسلام کا تظاہر کیا اور اس بات کا خواہاں تھا کہ اہل کوفہ کا محبوب وسردار رہے، لہٰذا اس نے ان لوگوں کے درمیان یہ بات کہی کہ اس نے توریت میں دیکھا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی رہا ہے اور محمدؐ کے وصی علی ہیں۔(۱)

---

(۱) دائرۃ المعارف، بیسویں صدی، ج ۵، ص ۱۷

یہ روایت درحقیقت طبری کی ہے(۱) اور سیف بن عمر کے ذریعہ نقل ہوئی ہے، جس کی عدالت محدثین کی نظر میں شدت کے ساتھ ناقابل قبول ہے۔(۲)

طبری کے بعد آنے والے مورخین نے اس کو نقل کیا اور یہ روایت شہرت پا گئی اور جدید و قدیم فرقوں کے مولفین نے اس پر اندھادندھ بھروسہ کیا اور دقت و تفحص سے بالکل کام نہیں لیا۔

ابن حجر نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح نہیں ہے۔(۳)

مولفین حضرات نے اس جانب بالکل توجہ نہیں کی اور صدیوں کے ساتھ اس کے سایہ تلے چلتے رہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: جب دشمنان اسلام اس دنیا کی قوت، نفاذ حکومت اور سرعت رفتار سے مبہوت ہوگئے تو حیران و سرگردان صورت میں کھڑے ہوگئے اس وقت ان کے پاس تلوار کے ذریعہ

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۳، ص ۳۷۸، ۳۵ھ کے واقعات

(۲) ابن معین نے کہا ہے کہ: یہ حدیث ضعیف ہے اور ایک جگہ کہا ہے کہ اس میں خیر و برکت نہیں۔

ابو حاتم نے اس کو متروک الحدیث کہا ہے اور اس کی حدیثوں کو واقدی کی حدیثوں سے تشبیہ دی ہے۔

ابوداؤد نے کہا کہ: یہ حقیقت نہیں رکھتی، نسائی اور دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

ابن عدی نے کہا کہ: اس کی بعض حدیثیں مشہور ہیں اور عام طور وہ ناقابل قبول ہیں اور ان کی کوئی پیروی نہیں کرتا۔

ابن حبان نے کہا کہ: یہ بات ثابت ہے کہ وہ جعلی حدیثیں بیان کرتا تھا اور کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ حدیث گڑھتا تھا۔

ابن حجر نے ابن حبان کے بقیہ کلام کو یوں نقل کیا ہے کہ: ''اس پر ملحد ہونے کا الزام لگایا گیا''

برقانی نے دارقطنی کے حوالہ سے کہا ہے: کہ وہ متروک ہے۔

حاکم نے کہا کہ: اس پر ملحد ہونے کا الزام تھا، راوی کے اعتبار سے وہ ساقط الاعتبار ہے، تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۲۶۰۔۲۵۹

(۳) لسان المیزان، ج ۳، ص ۲۸۹، عبداللہ بن سبا کی سوانح حیات

اس کا مقابلہ کرنے کی قوت نہیں تھی لہٰذا انھوں نے دوسرا حیلہ حربہ اور مکر کا استعمال کیا اور وہ تھا اسلام میں نفاق کا نفوذ و دخول، اور اندر سے اسلام کی بیخ کنی اور فتنہ کے ذریعہ اسلامی وحدت میں پھوٹ ڈالنا۔

جس نے اس بات کی فکر و تدبیر اپنائی پھر اس کو لوگوں کے سامنے پیش کیا وہ عبداللہ بن سبا اور کے پیروکار تھے۔(۱)

ان دو اہم صورتوں کی جانب توجہ ضروری ہے جو عبداللہ بن سبا کی شخصیت کو واضح کرتی ہیں:

ا۔ دائرۂ اسلام میں برپا ہونے والے فتنوں کو اس کی جانب نسبت دینا۔

۲۔ خلیفۂ سوم عثمان بن عفان کے دور حکومت میں پیدا ہونے والی مشکلات کو اس کے سر مڈھنا جس کی اصل و اساس طبری کی روایت ہے جو ابھی ذکر ہوئی ہے اور ابن سبا کو خیالی کردار عطا کرتی ہے اور نیک صحابہ کی ایک بڑی تعداد کو اسلام کا لبادہ اوڑھے اس یہودی کا تابع قرار دیتی ہے جبکہ دوسرا رخ یہ فرض کرتا ہے کہ عبداللہ بن سبا، خیالی شخص ہے کیونکہ طبری کی اس سے نقل کردہ یہ روایت ضعیف ہے۔

بعض تاریخوں نے اس کے وجود کا اعتراف کیا ہے لیکن اس شخصیت کی طرف نسبت دیئے جانے والے عظیم کردار کا انکار کیا ہے، کیونکہ منابع میں موجود روایات اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ اس شخص کا وجود حضرت امیر کے دور خلافت میں ہوا اور اس نے آپؑ کی شان میں اس حد تک غلو کیا کہ آپ کو خدا جانا، اور اس انحرافی عقیدہ میں اس کے کچھ پیروکار بھی مل گئے لیکن اس کی یہ تحریک اس درجہ اہمیت کی حامل نہ تھی جس طرح بعض مورخین و محققین نے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے پیش کیا۔

اگر عبداللہ بن سبا اتنی اہمیت کا حامل ہوتا تو اہل سنت کی احادیث کی کتابیں خاص طور سے صحاح اس بات کی جانب ضرور اشارہ کرتیں جبکہ یہ کتابیں اس کے تذکرے سے خالی ہیں۔

....

(۱) الصارم المسلول، ج۱، ص۲۴۶

بعض مستشرقین وسیرت نگاروں نے اس بات کو بھانپ لیا کہ ابن سبا کے کردار کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے کچھ سیاسی مقاصد تھے تا کہ شیعوں سے بدلہ لیا جاسکے۔

فلہوزن کہتا ہے کہ سبیہ کا لقب صرف شیعوں کے لئے بولا جاتا تھا، لیکن اس کا دقیق استعمال صرف شیعہ غلاۃ کے لئے صحیح ہے، جبکہ ذم (مذمت) کا لفظ شیعہ کے تمام گروہ پر برابر سے صادق آتا ہے۔(۱)

ڈاکٹر محمد عمارہ کہتے ہیں: کہ جو ہمارے موضوع، یعنی تشیع کی نشوونما کی تاریخ سے مربوط ہے (اس سلسلہ سے عرض ہے) کہ عبداللہ بن سبا کا وجود (اگر اس نام کا شخص تھا) تو اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ شیعیت اس کے دور میں وجود میں آئی (۲) اور شیعوں نے اس سے اس طرح کی کوئی چیز نقل نہیں کی ہے، لہٰذا یہ بات کہنا بالکل درست نہیں کہ شیعوں کے معروف فرقہ کی نشوونما اس کے زمانے میں ہوئی۔(۳)

مشکل یہ ہے کہ ابن سبا کا قضیہ جمہوری عقائد میں ٹکڑوں میں بٹ گیا اور جس کے وجود کے سبب سیاست متاثر ہوئی۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ سعودی رسالوں کے صفحات پر بڑی گھمسان نظریاتی جنگ ہوئی ہے، جیسے صحیفۂ ریاض وغیرہ...

اساتذہ اور سیرت نگاروں کے بارے میں خیالی ابن سبا کے موضوع پر بڑی ردوقدح ہوئی ہے، ایک طرف اس بیچ ہونے والی بحثوں کا مقصد غیر منصف سیرت نگاروں کا شیعی عقائد کو اس کی طرف منسوب کرنا تھا تو دوسری جانب بعض انصاف پسند سیرت نگاروں نے ابن سبا کے مسئلہ کو جمہوری عقائد کا جزء تسلیم کیا ہے۔

....

(۱) الخوارج والشیعہ، ص ۲۸ (۲) جب کہ آپ جان چکے ہیں کہ شیعیت کا وجود حیات رسولؐ میں تھا

(۳) الخلافہ والنشأۃ الاحزاب السیاسیہ، ص ۱۵۵

ڈاکٹر حسن بن فہد ہویمل کہتے ہیں: کہ ابن سبا کے سلسلہ میں تین نظریات ہیں:

سطح اول: اسلام کے سادہ لوح مورخین کے نزدیک اس کا وجود ہے اور اس کا زمانہ فتنہ وفساد کا عروج تھا۔

مستشرقین اور متاخر شیعہ اس کے وجود کے منکر ہیں اور اس کے کردار کے منکر ہیں، میں نے جو متاخر شیعہ کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس مطلب کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ متقدم شیعوں نے ابن سبا کے وجود کا انکار نہیں کیا، ہر چند کہ اس کے بعض کردار کے مخالف ہیں۔

سطح دوم: وہ ہے کہ عبداللہ بن سبا کے وجود کا اثبات اور فتنہ انگیزی میں اس کے کردار کو کم گردانا، اس بابت میں بھی اس کی طرف رجحان رکھتا ہوں۔

ڈاکٹر ہلابی اور ان کے بعد حسن مالکی اس شخصیت کے تحت سے منکرین افراد میں شمار ہوتے ہیں اور ان دونوں کی تحریروں پر جہاں تک میری نظر ہے اور اس کی من گڑھت شخصیت کے بارے میں میرا نظریہ جو قائم ہوا ہے وہ ان دونوں کے خلاف ہے اور میں اس کی تائید نہیں کرتا۔

کیونکہ اس کے شخصیت کی بیخ کنی در حقیقت بہت ساری چیزوں کی بنیادوں کو ختم کرنا اور مٹانا ہے جو بزرگ علماء کے آثار میں موجود ہے، جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن حجر، ذہبی اور ان دونوں کے علاوہ دیگر علماء اسلام۔

اس لئے کہ عبداللہ ابن سبا، یا ابن سوداء نے ایک عقیدتی مذہب کی بنیاد رکھی ہے اور اگر قبول کیا جائے تو دیگر مواقف بھی معرض وجود میں آتے ہیں لیکن ہم ایسے زلزلہ سے دوچار ہیں جو بہت ساری عمارتوں کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔ (۱)

یہاں سے عبداللہ بن سبا کا وجود اور اس کا افسانوی کردار بعض کے نزدیک عقائدی وجود کا حامل ہے۔

....

(۱) صحیفۃ الریاض، ص ۴، ربیع الاول ۱۴۱۸ھ۔

ابن سبا کے وجود کی بناء پر اس عظیم میراث کی قداست محفوظ ہو جاتی ہے چاہے ابن سبا کا وجود رہا ہو یا نہ۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ابن سبا کا مسئلہ دراصل شیعہ مخالف افراد کے پاس ایک ہتھکنڈہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جس کے ذریعہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد اس ابن سبا کی طرف منسوب کر دیں۔

اہل فارس کا شبہ

یہ بات واضح و روشن ہے کہ بنی امیہ کی حکومت خالص عربی تھی جس کی سیاست یہ تھی کہ نومسلم افراد کو دور سرحدوں کی جانب شہر بدر کر دیں اور عربوں کو ان نومسلموں پر ہر چیز میں برتری دیں، اپنے دشمنوں پر عجم ہونے کا الزام لگاتی تھی وہ بھی نفسیاتی جنگ کا ایک ایسا حربہ تھا جس کو اس حکومت نے اختیار کر رکھا تھا اور یہ ایک صدی تک استعمال کیا جاتا رہا جس کی وجہ سے عام لوگوں کے ذہنوں میں نومسلموں عجم اور فاقد استعداد ہونے کی فکر راسخ ہوگئی۔

شیعہ موجودہ حکومت کے اہم حزب مخالف تھے اور ان کے عقائد کے پھیلنے کے سبب اموی حکومت خطرہ میں پڑ رہی تھی، کیونکہ اس حکومت کے ذرائع ابلاغ نے ابن سبا کے ذریعہ شیعوں کی جانب یہودی عقائد منسوب کرنے کے الزام پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ انھوں نے یہ بات پھیلانے کی کوشش کی کہ درحقیقت شیعی عقائد ملک فارس کو فتح کرنے کے بعد ان کے عقائد شیعوں میں سرایت کر گئے ہیں۔

بعض معاصر مباحثین نے اس بات پر بہت زور آزمائی کی ہے بلکہ بسا اوقات حد سے بڑھ گئے اور یہودی وایرانی عقائد کے درمیان جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

احمد عطیۃ اللہ کہتے ہیں: سبیہ کی تعلیمات شیعی عقائد سے منسوب ہوتے ہیں جن کی اصل

یہودیت ہے اور یہ فارس سے متاثر ہیں اس فرقہ کا سرغنہ یمنی الاصل یہودی ہے، جبکہ ایرانیوں نے جزیرۃ العرب کے کچھ حصہ پر قبضہ کر رکھا تھا اس وقت کچھ ایرانی عقائد ان کے درمیان رائج ہوئے اس وجہ سے سبیئہ فرقہ کو ایران کے ہمسایہ عراق میں کچھ بہی خواہ مل گئے۔

دوسری جگہ کہتا ہے: (الحق الالٰہی) یہ نظریہ ایران سے سبیئہ کی جانب بطور خاص اور شیعہ میں بطور عموم سرایت کر گیا، وہ یہ ہے کہ نبی کے بعد حضرت علیؑ ان کے وصی وخلیفہ ہیں اور حضرت علیؑ نے امامت کے مسئلہ میں خدا کی مدد طلب کی اور یہ حق علیؑ سے منتقل ہو کر اہل بیتؑ تک بطور میراث پہنچا ہے۔(۱)

اس محقق نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اہل بیتؑ کی میراثی امامت اور فارس کی وہ افکار جو لوگوں میں سرایت کر گئیں ہیں ان کے بیچ ایک ربط دے، اس لئے کہ یہ بات بالکل قطعی ہے کہ ایرانی میراثی حکومت کے قائل تھے اور اسی نظریہ کی تائید بے شمار محققین اور بعض شرق شناسوں نے کی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اس نظریہ پر غور وفکر کیا جائے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اس نظریہ پر اموی حکمرانوں نے عمل کیا ہے، اس لئے کہ انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ یہ خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو جائے جس کو اولاد باپ داداؤں سے میراث میں پائے اور اموی حکومت تو خالص عربی حکومت تھی جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔

لہٰذا ان کا فارس کی تقلید کرنا بالکل ناممکن تھا اس بنا پر اس نظریہ کو شیعوں کی جانب زبردستی منسوب کرنا اور بھی نامعقول ہے، بلکہ محال ہے کیونکہ تشیع خالص عربی ہے جس کو ہم عنقریب ثابت کریں گے بعض محققین نے اس نظریہ کو تقویت دینے کی کوشش کی ہے کہ شروع کے اکثر شیعہ ایرانی تھے۔

....

(۱) القاموس العربی، ج ۳، ص ۲۴۹

شیخ محمد ابو زہرۃ کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ جس کا ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیعہ ملوکیت اور اس کی وراثت کے سلسلہ میں ایرانیوں سے متاثر ہیں ان کے مذہب ایرانی ملوکیتی نظام کے درمیان مشابہت بالکل واضح ہے اور اس بات پر گواہ یہ ہے کہ اس وقت اکثر ایرانی شیعہ ہیں اور شروع کے سارے شیعہ ایران کے رہنے والے تھے۔ (۱)

یہ بات کہ اس وقت اکثر اہل ایران شیعہ ہیں تو یہ صحیح ہے لیکن ابو زہرہ شاید یہ بات بھول گئے کہ بیشتر ایرانی آخری دور خاص طور سے صفوی حکومت کے دروان دائرۂ تشیع میں داخل ہوئے ہیں۔

اور یہ بات کہ شروعات کے سارے شیعہ ایرانی تھے تو یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ یہ بات تاریخ کے مطالعہ سے بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت کے بیشتر شیعہ خالص عرب تھے اور اس بات کو متقدمین مولفین نے قبول و ثابت کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ ایران کے بعض علاقہ شیعہ نشین تھے اور ان کی سکونت کی شروعات شہر قم سے ہوئی، جبکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ سارے شیعہ (جو کہ قم میں سکونت پذیر تھے) سب عرب تھے ان میں سے کوئی ایرانی نہیں تھا۔

یاقوت حموی شہر (قم) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اسلامی نو آبادیاتی شہر ہے اس میں پہلے سے عجم کا نام ونشان تک نہیں تھا، جس نے سب سے پہلے اس علاقہ کا رخ کیا وہ طلحہ بن احوص اشعری تھا اس کے اہل خاندان سب شیعہ تھے، حجاج بن یوسف کے زمانے ۸۳ھ میں اس کو بسایا تھا...

جب ابن اشعث نے شکست کھائی اور شکست خوردہ حالت میں کابل کی طرف پلٹا تو یہ ان بھائیوں کے ہمراہ تھا جن کو عبد اللہ، احوص، عبد الرحمٰن، اسحاق، نعیم کہا جاتا تھا یہ سب سعد بن مالک بن عامر اشعری کی اولاد تھے ان بھائیوں میں نمایاں عبد اللہ بن سعد تھا اس کا ایک بیٹا تھا جو کہ کوفہ میں تھا اور قدری عقائد کا مالک تھا وہاں سے قم کی جانب ہجرت کر گیا یہ شیعہ تھا، اسی نے تشیع کو اہل قم تک

---

(۱) تاریخ المذاہب الاسلامیہ، ج ۱، ص ۳۱

پہنچایا لہذا قم میں کبھی کوئی بھی سنی موجود نہیں رہا ہے۔(۱)

جیسا کہ حموی نے ثابت کیا کہ شہر "ری" میں شیعیت نہیں تھی یہ معتمد عباسی کے زمانے میں آئی ہے، وہ کہتا ہے کہ: اہل ری سب اہل سنت والجماعت تھے یہاں تک کہ احمد بن حسن مادراتی نے ری کو فتح کیا اور وہاں تشیع کو پھیلایا۔

اہل ری کا اکرام کیا اور اپنے سے قریب کیا، جب تشیع کے سلسلہ میں کتابیں لکھ دی گئیں تو لوگ اس حاکم کی طرف مائل ہو گئے۔

عبد الرحمٰن بن الحاتم وغیرہ نے اہل بیتؑ کے فضائل میں کتابیں تصنیف کی اور یہ حادثہ معتمد عباسی کے زمانے میں ہوا اور مادراتی نے شہر ری پر ۲۷۵ھ میں قبضہ کیا۔(۲)

مقدسی اس بات پر تاکید کرتے ہیں کہ اکثر ایرانی حنفی وشافعی مذہب کے پیرو تھے، مقدسی نے ایرانیوں کے درمیان تشیع کی وجود کی طرف بالکل اشارہ نہیں کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں: کہ میں نے مسلمانوں کی اکثریت صرف ان چار مذاہب کے پیروؤں میں دیکھی۔

مشرق میں اصحاب حنیفہ، مغرب میں اصحاب مالک، شوش ونیشاپور (ایران کے شہر) کے مراکز میں اصحاب شافعی، شام میں اصحاب حدیث، بقیہ علاقہ خلط ملط ہیں بغداد میں شیعیت وحنبلی کی اکثریت ہے، کوفہ میں کناسہ کے سوا کیونکہ وہاں سنی ہیں بقیہ سب شیعہ، موصل میں حنبلی اور کچھ شیعہ۔(۳)

ابن فقیہ نے ایک اہم نص کے ذریعہ محمد بن علی کی زبانی جو کہ اموی حکام کے خلاف عباسی انقلاب کا قائد وسربراہ تھا ہمارے لئے ایک اہم اقتباس نقل کیا ہے وہ اپنے گورنروں کو ہدایات دیتے

---

(۱) معجم البلدان، ج ۷، ص ۱۵۹

(۲) معجم البلدان، ج ۳، ص ۱۲۱

(۳) احسن التقاسیم، ص ۱۳۲۔۱۳۶

ہوئے اوران کے محل حکومت کی تعیین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کوفہ کی اکثریت علی اوراولا دعلی کے شیعوں کا مرکز ہے، بصرہ کی اکثریت عثمانیوں کا گڑھ ہے جونماز میں ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں، وہ تم سے کہیں گے کہ عبداللہ مقتول بنو قاتل نہیں۔

جزیرہ عرب میں حروریہ اور جنگجو عرب ہیں اور اخلاق نصاریٰ کی صورت مسلمان ہیں، اہل شام صرف آل ابوسفیان کو جانتے ہیں اور بنی مروان کی اطاعت کرتے ہیں ان کی دشمنی پکی ہے اور جہالت اپنے گھیرے میں لئے ہے، مکہ و مدینہ میں ابوبکر وعمر کا سکہ چلتا ہے لیکن تمہاری ذمہ داری خراسان کے حوالے سے زیادہ ہے، وہاں کی تعداد زیادہ اور سخت جان ہیں ان کے سینے مضبوط اور دل قوی ہیں ان کو خواہشات تقسیم نہیں کرسکتی، عطا و بخشش ان کو ٹکڑوں میں بانٹ نہیں سکتی، وہ ایک مسلم فوج ہے وہ قوی جسموں کے مالک ہیں، وہ بھرے شانہ، دراز گردن، بلند ہمت، داڑھی مونچھوں والے، بھیانک آواز والے اور چوڑے دہانے کے شیرین زبان ہیں اس کے بعد میں چراغ کائنات اور مصباح خلق یعنی شرق کے بارے میں نیک فال سمجھتا ہوں۔(۱)

معاصر محققین و مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر عبد اللہ فیاض کہتے ہیں کہ عرب خصوصا کوفہ میں تشیع کے ظہور کی تائید کرنے والی اہم تاریخی دلیلیں یہ ہیں:

۱۔علیؑ کے وہ انصار جنھوں نے ان کی مدد جنگ میں ان کے دشمنوں کے مقابلہ کی ان کی اکثریت حجاز وعراق کے لوگوں کی تھی، علیؑ کے اہم عہدداریا سردار لشکر میں سے کسی ایک کے نام کی اطلاع ہم کو نہ ہوسکی جو ایرانی الاصل ہو۔

۲۔۶۰ھ میں جن لوگوں نے کوفہ سے امام حسینؑ کو خطوط لکھے تھے جیسا کہ ابومخنف نے اپنی کتاب میں ان کے اسماء کا ذکر کیا ہے اس سے تو لگتا ہے وہ سب عربی قبائل کے سردار تھے جو کوفہ میں

---

(۱) مختصر کتاب البلدان، ص ۳۱۵

بسے ہوئے تھے۔

۳۔ سلیمان بن صرد خزاعی اور ان کے اصحاب جو توابین کی تحریک میں شامل تھے یہ سب کے سب عرب کے معروف قبیلوں میں سے تھے۔(۱)

فلھوزن نامی مستشرق نے اسی آخری نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

نخلیہ میں جو چار ہزار توابین جمع ہوئے تھے ان میں عرب قبائل کے افراد شامل تھے ان میں اکثریت قاریان قرآن کی تھی اور ان میں سے کوئی ایک بھی غیر عرب نہ تھا۔(۲)

ایرانیوں کے نفسانی رجحانات تشیع کی جانب مائل ہونے کے سلسلہ میں فلھوزن ہی کہتا ہے: یہ کہنا کہ شیعیت کے آراء ایرانیوں کے آراء سے موافق تھے تو یہ موافقت شیعوں کے ایرانی ہونے کی دلیل نہیں بلکہ تاریخی حقائق اس کے برعکس ہیں کہ تشیع شروع ہی سے دائرۂ عرب میں تھی اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کے بعد حدود عرب سے باہر آئی ہے۔(۳)

عبداللہ فیاض، سنیون سے نقل کرتے ہیں کہ: ہمدان ایک عظیم اور صاحب شان وشوکت قبیلہ تھا جو تشیع کا حامی تھا۔(۴)

دوسری وجہ:

دوسری وجہ جس کو محققین، تشیع کے ایرانی ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں وہ حضرت امام حسینؑ کا ایک ایرانی خاتون سے شادی کرنا۔

....

(۱) تاریخ الامامیہ،ص ۶۸

(۲) الخوارج والشیعہ،ص ۱۹۴

(۳) الخوارج والشیعہ،ص ۲۴۰

(۴) تاریخ الامامیہ عن خطط الکوفہ ص ۱۶

ڈاکٹر مصطفیٰ شکعہ کہتے ہیں کہ: تشیع ابتداء میں سیاسی مذہب تھا نہ کی دینی عقیدہ ان کی دلیل یہ ہے کہ آج تک تمام ایرانی محبت آل علی پر اجماع کیے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایرانی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ حسینؑ کے برادر نسبتی ہیں اس لئے کہ انھوں نے شہر بانوں بنت یزدجرد سے شادی کی تھی، جب وہ مسلمانون کے ہاتھوں اسیر ہو کر آئیں تھیں، آپؑ کے بطن مبارک سے علی بن الحسینؑ پیدا ہوئے، اس لحاظ سے ایرانی سب علی بن حسینؑ کے ماموں ٹھہرے، اس طرح سے ان کی بیٹی کے بیٹے اور تشیع کے درمیان گہرا ربط پیدا ہو گیا، لہٰذا ان کا شیعہ مذہب اختیار کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان لوگوں نے خالص شیعیت اختیار کی تھی، بلکہ ان کا تشیع قبول کرنا عصبیت کی بناء پر تھا عقیدتی تشیع نہیں تھا، اور تعصبی تشیع، سیاسی تشیع کے مساوی ہے، الہٰذا فکر تشیع ایران کی جانب سے کم از کم خالص سیاسی تشیع ہے، بلکہ بعض ایرانیوں نے علی بن الحسین زین العابدینؑ کی مدد کا اعلان کیا جب انھوں نے دیکھا کہ ایران، امام حسینؑ کے گھرانے سے نسبی اعتبار سے مربوط ہیں۔ (۱)

ڈاکٹر شکعہ کی باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام شیعہ صرف ایرانی نہیں تھے کہ شکعہ کی اس تحلیل کو قبول کیا جا سکے کہ اگر ایرانیوں نے تشیع صرف "ماموں" کے رشتے کے سبب قبول کیا اس لئے کہ ان کے اور علی بن الحسینؑ کے بیچ ایک رشتہ تھا، تو دیگر غیر ایرانی شیعہ حضرات کے بارے میں کیا کہیں گے خصوصاً ان عربوں کے بارے میں کیا کہیں گے جو ایرانیوں کے شیعہ ہونے سے پہلے شیعہ کہلاتے تھے؟

دوسری بات یہ کہ اگر حضرت امام حسینؑ کی جناب شہر بانوں سے شادی ایرانیوں کے شیعوں ہونے کا سبب تھی تو صرف امام حسینؑ ہی نے ایرانی شہزادی سے شادی نہیں کی تھی بلکہ وہاں پر دوسرے ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے ایرانی شہزادیوں سے شادی کی تھی جو کہ مدینہ اسیر ہو کر آئیں تھیں۔

---

(۱) اسلام بلا مذہب، ص ۱۷۳

عبداللہ بن عمر نے سلافہ (شہر بانو) کی بہن سے شادی کی تھی اوران سے سالم پیدا ہوئے تھے اگر حسین خلیفہ مسلمین کے فرزند تھے تو عبداللہ بن عمر بھی تو فرزند خلیفہ تھے جو (بظاہر) حضرت علیؑ سے پہلے خلیفہ تھے۔

اسی طرح محمد بن ابی بکر نے سلافہ (شہر بانو) کی دوسری بہن سے شادی کی اور ان سے معروف فقیہ قاسم پیدا ہوئے، خود محمد بن ابی بکر بھی تو خلیفہ کے بیٹے تھے اوران کے باپ تو عبداللہ بن عمر کے باپ سے پہلے خلیفہ تھے عمر بن الخطاب کے زمانے میں تین شادیاں ہوئیں۔(۱)

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دلیل بھی باطل ہے، لہٰذا تشیع کو ایرانیوں کے نام سے منسوب کرنا بالکل غیر منطقی ہے۔

خاتمہ

جو کچھ گذر چکا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تشیع کا وجود سرکار ختمی مرتبت کی حیات میں تھا آپؐ نے اس کو پالا پوسا اور حضرت علیؑ کی مستقل اس میں مدد شامل تھی اور لوگوں کو اس جانب دعوت دی اور اس بات کی خبر دی کہ یہ حق پر ہے اوران کے شیعہ کامیاب ہیں۔

حضرت علیؑ کی وصایت عبداللہ بن سبا کا دعویٰ نہیں ہے بلکہ ابتدائے اسلام سے ہی حضور نے اس کی صراحت فرمادی تھی، کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن سبا موجود یا موہوم سے جب اصحاب نے رسولؐ کے وصی کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب میں وصی کی خبر دی، یہاں تک کہ حضرت علیؑ وصی کے نام سے مشہور ہوگئے اور شعراء نے اس کو بہت اچھالا اور یہ لفظ لغت کی کتابوں میں بھی داخل ہوگیا۔

---

(۱) وفیات الاعیان، ج۱ص۴۵۵، ط، بولاق

ابن منظور کے بقول: حضرت علیؑ کو وصی کہا جاتا ہے۔(۱)

زبیدی کہتا ہے: وصی غنی کی طرح ہے جو علی کا لقب تھا۔(۲)

ابن ابی الحدید نے دس ایسے اشعار کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے جس میں اصحاب نے حضرت علیؑ کو وصی کے لقب سے یاد کیا ہے۔(۳)

شروع کے شیعہ حضرات سابق الایمان اور عظیم اصحاب تھے اور یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے علیؑ کے خط تشیع پر عمل کیا اور لوگوں کے درمیان اس کی تبلیغ کی، ابتدائی شیعہ سب اصیل عرب تھے۔

گولڈ شیارڈ کہتا ہے: تشیع اسلام کی طرح عربی ہے اور اس کی نشو ونما عرب ہی میں ہوئی ہے۔(۴)

جو لوگ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اس بات کا اظہار کریں کہ ایرانی، تشیع میں صرف اس لئے داخل ہوئے تھے کہ اسلام کو ختم کردیں اور اپنے مجوسی عقائد کو اسلام میں شامل کردیں، ان کے لئے عرض ہے کہ اہلسنت کی عظیم شخصیات سب ایران کی رہنے والی تھیں، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابو حنیفہ وغیرہ اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء ومحدثین سب ایرانی تھے اگر ایرانیوں کا مقصد اسلام کو ڈھانا تھا تو ایران کے رہنے والے اہل سنت کی ان عظیم شخصیتوں کا بھی نصب العین وہی ہونا چاہیئے... ہم تو صرف ان کے دعووں کو مصداق دے رہے ہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ تشیع خط اسلام پر سالک ہے اور انحراف سے بہت دور ہے اور روز وشب کی گردش کے ساتھ خود ساختہ شکوک وشبہات کا سامنا کرتا رہا ہے یہاں تک کہ خدا اپنا فیصلہ ظاہر کرے گا۔

....

(۱) لسان العرب، ج۱۵، ص۳۹۴

(۲) تاج العروس، ج۱۰، ص۳۹۲

(۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ۱۴۳

(۴) العقیدۃ والشریعۃ فی الاسلام، ص۲۰۵

مصادر و منابع

۱۔ لسان العرب، ابن منظور

۲۔ السیرۃ النبویۃ، لاحمد زینی دحلان

۳۔ السیرۃ الحلبیۃ، لبرہان الدین حلبی

۴۔ مغازی، واقدی

۵۔ مسند احمد (احمد بن حنبل)

۶۔ صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری

۷۔ صحیح مسلم (مسلم بن الحجاج القشیری)

۸۔ سنن ابن ماجۃ، ابن ماجہ قزوینی

۹۔ المصنف، ابن ابی قتیبہ

۱۰۔ المسند، حمیدی

۱۱۔ المسند، ابی یعلی

۱۲۔ طبقات الکبریٰ، ابن سعد

۱۳۔ تاریخ یعقوبی، ابن واضح یعقوبی

۱۴۔ الکامل فی التاریخ، ابن اثیر

۱۵۔شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید المعتزلی

۱۶۔کنز العمال، متقی ہندی

۱۷۔انساب الاشراف، بلاذری

۱۸۔تاریخ دمشق، ابن عساکر

۱۹۔مختصر تاریخ دمشق، ابن منظور

۲۰۔المستدرک علی الصحیحین، حاکم نیشاپوری

۲۱۔جامع ترمذی، (ترمذی)

۲۲۔سنن نسائی، احمد بن شعیب نسائی

۲۳۔سنن دارمی (دارمی)

۲۴۔الصواعق المحرقہ، ابن حجر ھیثمی مکی

۲۵۔مجمع الزوائد، نور الدین ھیثمی

۲۶۔فیض القدیر، مناوی

۲۷۔حلیۃ الاولیاء، ابی نعیم

۲۸۔تاریخ بغداد، خطیب بغدادی

۲۹۔ذخائر العقبیٰ، محب الطبری

۳۰۔ریاض النضرۃ، محب الطبری

۳۱۔اسد الغابہ، ابن اثیر

۳۲۔اسباب النزول، واحدی

۳۳۔السنن الکبریٰ، بیہقی

۳۴۔السیرۃ النبویۃ، لابن ہشام

۳۵۔المعجم الکبیر، طبرانی

۳۶۔البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی

۳۷۔مصابیح السنہ، بغوی

۳۸۔مشکاۃ المصابیح، سبط ابن جوزی

۳۹۔تذکرۃ الخواص، سبط ابن الجوزی

۴۰۔فضائل، احمد بن حنبل

۴۱۔مسند طیالسی، (الطیالسی)

۴۲۔تفسیر الطبری، ابن جریر الطبری

۴۳۔الاموال، (ابوعبید)

۴۴۔المنتظم، ابن الجوزی

۴۵۔المعجم الاوسط، طبرانی

۴۶۔الاستیعاب، ابن عبدالبر

۴۷۔الفردوس بمأثور الخطاب، دیلمی

۴۸۔معرفۃ الصحابۃ، ابی نعیم

۴۹۔شرح المواہب اللدنیہ، زرقانی

۵۰۔فرائد السمطین، للحموئی

۵۱۔نظم درر السمطین، جمال الدین الزرندی

۵۲۔فصول المہمہ، ابن صباغ مالکی

۵۳۔احیاء علوم الدین، غزالی

۵۴۔کنوز الحقائق، مناوی

۵۵۔تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی

۵۶۔الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن حجر عسقلانی

۵۷۔کفایۃ الطالب، گنجی

جهانی اهل بیت علیهم‌السلام

www.ahl-ul-hayt.o

ISBN 964-529-08

9 789645 29087